ہمایوں نامہ

گلبدن بیگم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ہمایوں نامہ

ہمایوں نامہ

گلبدن بیگم

مترجم

عثمان حیدر مرزا

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی - 110025

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھر پور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمایوں نامہ گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ

دیباچہ

برطانوی عجائب خانہ لندن میں ایک قلمی کتاب فارسی زبان میں ہے جس کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر ہیں :

ہمایوں نامہ ۔ تصنیف گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ

اس کتاب کے ایک ورق پر شاہجہاں بادشاہ کی مُہر اور مندرجۂ ذیل تحریر موجود ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" ایں تاریخ کہ مشتملست بر مجمل احوال حضرت صاحب قراں گیتی ستاں و اولاد امجاد آں حضرت و سوانح ایام حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہٗ تا بہ سال بیست و دوم در عہد دولت شاہ بابا تصنیف شدہ ۔ حررہ شاہ جہاں بادشاہ بن جہانگیر بادشاہ بن اکبر[1] بادشاہ "

---

[1] یہ تاریخ جو حضرت صاحب قراں گیتی ستاں (امیر تیمور) اور آپ کی اولاد امجاد کے مجمل احوال اور حضرت عرش آشیانی (ہمایوں بادشاہ) انار اللہ برہانہٗ کے زمانے کے بائیسویں سال تک کے واقعات پر مشتمل ہے شاہ بابا (اکبر بادشاہ) کے عہد دولت میں تصنیف ہوئی۔ حررہ شاہجہاں بادشاہ بن جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ " مرآتی ملاعظ فرما)

اس کتاب کا کوئی اور قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہوا، یہ امر قابل افسوس ہے کیونکہ موجودہ کتاب نامکمل ہے یعنی اس کے آخر کے کچھ اوراق مفقود ہیں اور سلسلۂ بیان بے محل طور پر دفعتاً ختم ہوجاتا ہے۔

ایک فاضلہ انگریز خاتون اینٹ ایس بیورج نے اس دل چسپ نادر کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے اور یہ ترجمہ ادبی تحقیق میں ایک بلند پایہ رکھتا ہے۔ موجودہ اردو ترجمہ میں اس فاضلہ کی کتاب سے بھی بعض امور میں استفادہ کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اور متعدد مستند تاریخی کتب اور ترکی و فارسی لغات کی مدد سے عبارت کی مشکلات کو حل کیا گیا ہے اور ضروری تشریحات کر دی گئی ہیں۔ اردو ترجمہ میں فارسی عبارت سے حتی الامکان عین مطابقت ملحوظ رکھی گئی ہے مگر ساتھ ہی یہ بات نظر انداز نہیں کی گئی کہ اردو زبان سادہ، سلیس اور بامحاورہ ہو۔ امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف فارسی طلبا کے لیے کارآمد ہوگی بلکہ عام طور پر بھی دل چسپی اور شوق سے پڑھی جائے گی اور ہندستان کی تاریخ سے شغف رکھنے والے حضرات کے لیے خاص طور پر مفید ہوگی اور نیز طبقۂ اناث میں بھی اسے خاص مقبولیت حاصل ہوگی کیونکہ ہمایوں نامہ کی مصنفہ بھی ایک خاتون ہے ایک ایسی خاتون کہ جس کے پُر اوصاف خصائل کی تقلید اس زمانہ کی عورتوں کے لیے بھی باعث ارتقا ہوگی۔

ترجمہ سے پہلے چند امور کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، ظہیر الدین بابر بادشاہ کے بچوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ 1 سے آگے) اینٹ ایس بیورج نے مندرجہ بالا عبارت کے انگریزی ترجمہ میں حضرت عرش آشیانی کو اکبر بادشاہ کا مرادف قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں بلکہ حضرت عرش آشیانی سے مراد ہمایوں بادشاہ ہیں، گلبدن بیگم کی تصنیف کا مقصد ہمایوں بادشاہ کے حالات لکھنا تھا اور اسی کی فرمائش اکبر بادشاہ نے آپ سے کی تھی، بابر بادشاہ کا ذکر بھی آپ نے شروع میں محض تبرکاً کیا ہے

شاہجہاں بادشاہ کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ قلمی نسخہ آپ کے پاس اسی ناتمام حالت میں تھا جس میں اب ہے۔ کیونکہ ہمایوں بادشاہ کے عہد کے بائیسویں سال تک کے حالات موجودہ نسخہ میں درج ہیں، ہمایوں بادشاہ 1530 میں تخت نشین ہوئے اور مرزا کامراں کا اندھا کیا جانا جو کتاب میں آخری واقعہ ہے 1553 میں ہوا، اس طرح ہمایوں بادشاہ کی تخت نشینی سے لے کر اس واقعہ تک تقریباً بائیس سال کا عرصہ ہوجاتا ہے۔

ہمایوں بادشاہ نے 27 جنوری 1556 میں وفات پائی، ہمایوں نامہ کے مفقود اوراق میں غالباً آپ کی وفات تک کے حالات درج ہوں گے، یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اکبر بادشاہ کے عہد کے واقعات بھی گلبدن بیگم نے تحریر کیے ہوں گے۔

ایک گلبدن بیگم ہی ایسی تھیں کہ جنھیں اپنے پدر کے اوصاف والد کی خوبی تحریر اور ذوقِ شاعری گویا ورثہ میں ملے تھے، تزک بابری ایک مشہور و معروف کتاب ہے جس میں بابر بادشاہ نے اپنی پر حوادث زندگی کے حالات بہت دلچسپ پیرایہ میں تحریر کیے ہیں، بابر بادشاہ شعرگوئی میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے اور آپ کی متفرق غزلیات اور اشعار تزک بابری میں محفوظ ہیں، اسی طرح گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں اپنے بھائی ہمایوں بادشاہ کے عہد کے واقعات تحریر کیے ہیں، اس تصنیف کے علاوہ آپ کے متفرق اشعار بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فن شاعری میں بھی آپ اپنے والد کی طرح مہارت تامہ رکھتی تھیں۔

بابر بادشاہ نے اپنی کتاب اپنی مادری زبان ترکی میں لکھی ہے اور آپ کے اکثر اشعار بھی ترکی زبان میں ہیں، آپ کے زمانہ میں ترکی ایک بلند پایہ زبان کی حیثیت رکھتی تھی وہ محض نیم مہذب تاتاری قبائل کی زبان نہ تھی بلکہ اس میں بہت سے باکمال شاعر اور ادیب موجود تھے مثلاً علی شیر نوائی مرزا حیدر دوغلات، شہزادہ بائیسنغر۔

گلبدن بیگم نے اپنی کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے، بابر بادشاہ کی اولاد میں فارسی زبان کا رواج رفتہ رفتہ ہوتا گیا، سمرقند چھوڑنے کے بعد بابر بادشاہ عرصہ تک کابل میں مقیم رہے، یہاں کے باشندوں کی زبان فارسی تھی، اس کے بعد آپ ہندوستان میں آئے تو یہاں جو مسلمان آباد تھے وہ بھی فارسی زبان سے ہی مانوس تھے، اس طرح آہستہ آہستہ فارسی زبان چغتائی ترکی پر غالب آتی گئی، یہاں تک کہ چند پشت کے بعد بابر بادشاہ کی اولاد اپنی مادری زبان سے بالکل ناآشنا ہو گئی۔

گلبدن بیگم ترکی زبان سے واقف تھیں اور آپ کی فارسی تحریر میں جابجا آپ کی مادری زبان کی جھلک دکھائی دیتی ہے یعنی آپ اپنی تحریر میں بہت سے ترکی الفاظ بھی استعمال کرتی ہیں، آپ کی تحریر کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں وہی چاشنی پائی جاتی ہے جو آج کل ایران کی معمولی بول چال میں موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ گلبدن بیگم کی تحریر کی طرح ایران کی رائج الوقت زبان بھی بہت کچھ ترکی سے متاثر ہے، ایران میں جو ترکمان قبائل آباد ہیں ان کی زبان اب تک ترکی ہے، ایران کا ملک بہت عرصہ تک تاتاریوں کی حکومت میں رہا ہے، آخری شاہی خاندان قاچار بھی ترکی الاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ ہم گلبدن بیگم کی زبان کو کوئی متروک یا مجہول زبان نہیں پاتے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں وہی لطف اور وہی کیفیت موجود ہے جو آج کل کے ایرانی گھرانوں کے محاورات میں پائی جاتی ہے۔

گلبدن بیگم بابر بادشاہ کی بیٹی تھیں، اس طرح آپ کی رگوں میں تیموری خون کے ساتھ چنگیزی
خون بھی موجود تھا کیونکہ بابر بادشاہ اپنے والد کی طرف سے امیر تیمور کے بیٹے میران شاہ کی نسل سے
اور والدہ کی طرف سے چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی خاں کی نسل سے تھے، یعنی ترکی اور مغلی دونوں
جانب سے اعلیٰ ترین حسب ونسب رکھتے تھے۔ گلبدن بیگم 1523 میں کابل میں پیدا ہوئیں، آپ
کی پیدائش کے وقت بابر بادشاہ کو کابل پر حکمرانی کرتے ہوئے تقریباً انیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا،
اور آپ ان دنوں ہندوستان پر فوج کشی کا سامان کر رہے تھے، بچپن کا زمانہ گلبدن بیگم نے اپنے
والد کے سایۂ عاطفت میں کابل اور ہندوستان میں بسر کیا جب پہلی مرتبہ آپ ہندوستان آئیں تو
آپ کی عمر تقریباً پانچ سال کی تھی، یہاں آنے کے دو ڈھائی سال بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اس
کے بعد آپ اپنے بھائی ہمایوں بادشاہ کی حفاظت میں رہیں اور وہ آپ سے ہمیشہ بہت شفقت اور
محبت سے پیش آتے تھے، سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی، آپ کے خاوند خضر خواجہ خاں
تھے جو امین خواجہ کے بیٹے اور اپنی والدہ کی جانب سے حیدر مرزا دوغلات کی نسل سے تھے یعنی اعلیٰ
نسب چغتائی مغل تھے، اپنی شادی کا ذکر گلبدن بیگم نے ایک جگہ اشارۃً کیا ہے جب ہمایوں بادشاہ
بنگال کی مہم سے واپس آئے تو آپ نے گلبدن بیگم کو لچک قصابہ پہنے دیکھ کر پہلی نظر میں پہچانا ہی
نہیں لچک قصابہ ایک خاص وضع کا رومال ہوتا تھا جو لڑکیاں شادی کے بعد پہنتی تھیں، یہ کتخدائی کا
نشان تھا، اپنی شادی کے متعلق صرف یہی ایک اشارہ گلبدن بیگم کی کتاب میں پایا جاتا ہے، اور
اپنے خاوند کا ذکر کرنے میں آپ بہت حجاب برتتی ہیں، انہیں اپنے ہاتھ سے خط لکھنا بھی معیوب
سمجھتی تھیں، مگر اس ازدواجی کہنہ خیالی کے ساتھ اس زمانہ کی عورتوں میں بعض باتوں کے متعلق ایسی
دلکش خیالی موجود تھی جو آج کل کی عورتوں میں کمیاب ہے، پردے کی قیود بہت کم تھیں اور عورتیں
آزادی سے سیر و سفر کرتی تھیں، شہسواری چوگان سازی، تیراندازی اور کئی اور قسم کے فنون میں انہیں
مردوں کی طرح مہارت حاصل کرنے کے مواقع تھے، فن موسیقی کا بھی بہت رواج تھا، حقیقت یہ ہے
کہ پردے کی رسم مغلوں میں ہندوستان آنے کے بعد پختہ ہوتی گئی ورنہ سمرقند اور کابل میں پردہ کا
رواج بہت کم تھا، ہم عصر مورخین مثلاً ہسپانوی سفیر کلاویجو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر تیمور
کی بیگمات غیر ملکی سفرا وغیرہ کو اپنے ہاں مدعو کرتی تھیں، عورتیں بہت عزت و احترام کی نظر سے
دیکھی جاتی تھیں اور ان کا دائرۂ اثر گھر بار کے انتظام تک محدود نہ تھا بلکہ اہم سیاسی معاملات میں
سے مشورہ کیا جاتا تھا اور ان کی رائے کو بہت وقعت دی جاتی تھی۔

گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ اپنے بھتیجے اکبر بادشاہ کی فرمایش سے لکھا تھا، اُس وقت اگرچہ آپ کا بڑھاپا تھا مگر گزشتہ واقعات کے متعلق آپ کی یادداشت میں کوئی نقص نہیں آیا تھا، اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بوڑھے آدمی نسبتاً قریب کے زمانہ کی باتیں تو بھول بھی جاتے ہیں مگر اوائل عمر کی پرانی باتیں زیادہ اچھی طرح ان کے ذہن میں محفوظ رہتی ہیں، کتاب کا آغاز بابر بادشاہ کے ذکر سے ہوتا ہے یعنی گلبدن بیگم شروع کتاب میں تبرکاً اپنے والد (بادشاہ بابام) کا ذکر خیر کرتی ہیں، بابر بادشاہ کے انتقال کے وقت آپ بہت کمسن تھیں اس لیے اس زمانے کی زیادہ باتیں آپ کو یاد نہیں اور اس زمانہ کے بہت سے واقعات کا تذکرہ واقعہ نامہ یعنی تزک بابری سے ماخوذ ہے۔

شروع میں ماورئ النہر کے علاقہ میں بابر بادشاہ کی اپنے دشمنوں سے کش مکش کا ذکر ہے، تین مرتبہ سمرقند فتح کر کے کھو دینے کے بعد بابر بادشاہ مجبوراً اپنے آبائی ملک کو خیرباد کہتے ہیں اور بے سروسامانی کی حالت میں کابل چلے آتے ہیں، ہندوستان پر آپ کی فوج کشی سلطان ابراہیم سے جنگ اور راناسانگا کی شکست کا مفصل ذکر ہمایوں نامہ میں موجود ہے، آگرہ میں آپ مختلف عمارات تعمیر کراتے ہیں اور خواجہ کلاں کے ہاتھ بیگمات کے لیے ہندوستان کے تحائف کابل بھجواتے ہیں، راناسانگا کی شکست کے بعد ماہم بیگم کابل سے ہندوستان تشریف لاتی ہیں اور ان کی ہمراہی میں گلبدن بیگم پانچ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھتی ہیں، یہاں آکر دھول پور اور بعض اور مقامات کی سیر کا ذکر ہے اور ہمایوں بادشاہ کی بیماری اور بابر بادشاہ کے انتقال کا تذکرہ ہے، یہ سب باتیں گلبدن بیگم کو کچھ تو خود یاد ہیں اور کچھ اور لوگوں سے سن کر لکھی ہیں، توی طلسم اور مرزا ہندال کی شادی کا جشن بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ہمایوں بادشاہ اور شیر خاں کی جنگ کا ذکر بھی مفصل طور پر موجود ہے، جب 1540ء میں ہمایوں بادشاہ ہندوستان کو خیرباد کہہ کر سندھ اور ایران کا رخ کرتے ہیں تو گلبدن بیگم مجبوراً مرزا کامراں کی ہمراہی میں کابل چلی جاتی ہیں اور اس طرح چند سال تک ہمایوں بادشاہ سے جدا رہتی ہیں، سندھ کے علاقہ میں ہمایوں بادشاہ کی بادیہ پیمائی اور حمیدہ بانو بیگم سے شادی کا ذکر بہت دل چسپ ہے، یہ باتیں اگرچہ آپ نے خود نہیں دیکھیں مگر بعض اور بیگمات اور خود حمیدہ بانو بیگم کی زبانی سُنی ہوں گی، 1545ء میں ہمایوں بادشاہ ایران سے واپس آتے ہیں اور کابل پر دوبارہ قابض ہوتے ہیں، مرزا کامران کی غداری سے مرزا ہندال شہید ہو جاتے ہیں۔ 1551ء میں اپنے عزیز بھائی کی شہادت گلبدن بیگم کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا اور اس واقعہ کا ذکر آپ نے بہت دردناک پیرایہ میں کیا ہے، کتاب

کے آخری حصے میں مرزا کامران کی گرفتاری اور امرا کا مستحق ہو کر ان کے قتل کا مطالبہ کرنے کا بیان ہے اور یہاں پہنچ کر تحریر دفعتاً ختم ہو جاتی ہے اور کتاب کے باقی اوراق غائب ہیں۔

ہمایوں نامہ کی تاریخی حیثیت و اہمیت ایک خاص رنگ رکھتی ہے۔ اس کتاب کی تحریر اس کی مصنفہ کی شخصیت کے ساتھ وابستہ ہے، اس کی لکھنے والی ایک ایسی خاتون ہے جو ان عظیم ہستیوں کے ساتھ شامل ہے جن کے کارناموں سے صفحات تاریخ درخشاں ہیں، اس کا دائرۂ علم باہر کے واقعات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ اس اندرونی دائرہ میں بھی قدم رکھتی ہے جس سے اکثر مورخین ناآشنا ہیں اور مورخین کی طرح وہ صرف باہر کی سطح پر نظر نہیں رکھتی بلکہ پس پردہ بھی دیکھ سکتی ہے، جنگ اور فتح و شکست کے حالات بہت سی تواریخ میں موجود ہیں، ہمایوں نامہ کی خوبی ان واقعات کے بیان سے نہیں بلکہ اس کے قابل قدر وہ حصص ہیں جو ہمیں ان عظیم ہستیوں کے گویا قریب لا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور ہمیں ان کی شخصیت، ان کی عادات اور ان کے احساسات کی ایسی جھلک دکھاتے ہیں کہ جس سے ان کی جیتی جاگتی تصویریں ہماری نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔ گلبدن بیگم کی کتاب میں ہمایوں بادشاہ اور بابر بادشاہ اور ان کے متعلقین کی بابت بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی سی روزمرہ کی باتیں ہیں جو خاص طور پر ہماری دلچسپی کا باعث ہیں اور جن کی وجہ سے ہم اُن پُر اوصاف ہستیوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں، انگریزی زبان میں ایک مثل اس مفہوم کی ہے کہ اگر ہم کسی شخص کو بہت اچھی طرح جانتے ہوں یعنی اس کی معمولی معمولی باتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں تو ہمارے دل میں ضرور اس کے لیے ایک تحقیر سی پیدا ہو جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بات ایک حد تک صحیح ہو مگر اس کے برعکس ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب تک ہم کسی شخص کو بخوبی نہ جانتے ہوں اور اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے واقف نہ ہوں ہم اس سے پوری طرح اُنس بھی نہیں رکھ سکتے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہمایوں نامہ میں پائی جاتی ہیں ہمارے لیے خاص طور پر دلچسپی کا باعث ہیں اور ہمارے دل میں ان اشخاص کی جانب جو اس کتاب میں مذکور ہیں ایک قسم کا اُنس پیدا کر دیتی ہیں، مثال کے طور پر بیگہ بیگم کا ہمایوں بادشاہ کو صبح کی نماز کے لیے بیدار کرنا اور بے محل جھنکاریوں کا دفتر کھولنا، ہمایوں بادشاہ کا بیگمات سے خفا ہو جانا، بیگمات کا سیر کو جانا، مرزا ہندال کا جشن شادی اور جہیز کی تفصیل، کھانے پر مرزا سلیمان کی ناشائستہ حرکت، مرزا کامران کی سادہ لوحی اور حرم بیگم کے نام خط وغیرہ وغیرہ۔

گلبدن بیگم نے اپنی کتاب میں ہندوستان اور اس کے باشندوں کا کوئی خاص ذکر نہیں کیا اور یہاں کی خصوصیات اور رسم و رواج کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی، تاہم اس بنا پر ہم یہ فرض

نہیں کر سکتے کہ گلبدن بیگم کو بھی خواجہ کلاں کی طرح ہندوستان سے کوئی دل بستگی نہ تھی، ہمایوں نامہ ایک خاص مقصد سے لکھا گیا تھا یعنی اس کا دائرہ ہمایوں بادشاہ اور آپ کے متعلقین اور رفقا کے ذکر تک محدود ہے، ہندوستان کی چیزوں کے بیان کا کوئی خاص موقع و محل نہ تھا' تاہم آپ اپنی تحریر میں کئی جگہ ہندی کے الفاظ استعمال کرتی ہیں' مثلاً چھپر کھٹ (چھپر کھٹ) پاتر (تریا) گواراں (گنوار) وغیرہ۔

ہمایوں نامہ کی مصنفہ کی شخصیت کی بابت چند امور کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مختلف دلائل کی بنا پر ہم وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ حسنِ سیرت کے ساتھ حسن صورت سے بھی مزین تھیں، ذہن' ذکاوت اور علمیت کے لحاظ سے آپ اپنے زمانہ کی عورتوں پر نمایاں فوقیت رکھتی تھیں، بچپن سے ہی آپ کی ہونہاری نے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا' بابر بادشاہ اور ماہم بیگم نے آپ کی بہت لاڈ پیار سے پرورش کی تھی اور آپ کے سب بھائی بہن آپ کو بہت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیمارداری میں بھی آپ کو خاص ملکہ تھا' چنانچہ مرزا کامران اپنی بیماری کی حالت میں آپ کا ساتھ ہونا از حد غنیمت جانتے تھے اور باوجود یہ جاننے کے کہ آپ ہمایوں بادشاہ کی خاص طور پر معاون و طرفدار ہیں کبھی آپ سے درشتی سے پیش نہیں آئے، چنانچہ ایک دفعہ مغلوب الغیظ ہوکر مرزا کامراں نے جب بیگمات کو قید کردیا تھا مگر گلبدن بیگم ان کے عتاب سے مامون رہیں اور خضر خواجہ کو خط لکھنے سے صاف انکار کرنے کے باوجود مرزا کامراں نے آپ پر کوئی سختی نہیں کی' اس واقعہ کا دلچسپ ذکر ہمایوں نامہ میں موجود ہے۔

گلبدن بیگم کی آخر عمر امن چین سے اکبر بادشاہ کے عہد میں بسر ہوئی، پچاس سال کی عمر میں آپ کو طواف بیت اللہ کا شوق دامنگیر ہوا اور 1575 میں خشکی اور سمندر کا دور دراز اور پُر خطر سفر طے کرکے آپ ملک عرب میں پہنچیں جہاں آپ نے ساڑھے تین سال بسر کیے اور اس اثنا میں چار مرتبہ طواف کیا' فروری 1603 میں بمقام آگرہ آپ اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں' اس وقت آپ کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

(غالب)

عثمان حیدر مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمایوں نامہ

بادشاہ سلامت کا یہ فرمان تھا کہ حضرت فردوس مکانی اور حضرت جنت آشیانی کے جو
واقعاتِ زندگی تمہیں معلوم ہوں اُنھیں قلمبند کرو۔ جب حضرت فردوس مکانی اس جہان فانی سے
عالمِ جاودانی کی طرف سدھارے اس وقت مجھ ناچیز کی عمر آٹھ سال کی تھی' اس لیے آپ کے
عہد کی کچھ زیادہ باتیں تو مجھے یاد نہیں مگر جتنا بھی مجھے یاد ہے اور جو کچھ سُنا ہے وہ بموجب
فرمانِ شاہی لکھے دیتی ہوں۔

اپنے والد بادشاہ بابر کے حالات اس کتاب کے پہلے حصہ میں لکھتی ہوں' اگرچہ آپ کی تاریخ
تزک بابری میں یہ باتیں بیان ہو چکی ہیں مگر یہاں بطور یادگار اور تبرکاً ان باتوں کا ذکر کرتی ہوں۔

حضرت صاحبقراں (امیر تیمور) کے عہد سے لے کر حضرت فردوس مکانی کے زمانہ تک گزشتہ
بادشاہوں میں سے کسی نے بھی آپ کے برابر مشقت اور تکلیف نہیں اٹھائی' جب آپ بادشاہ
ہوئے تو آپ کی عمر بارہ سال کی تھی' آپ کے نام کا خطبہ ولایت فرغانہ کے پایۂ تخت اندجان میں
بتاریخ ۵ رمضان ۸۹۹ھ پڑھا گیا' اس کے بعد گیارہ سال تک آپ علاقہ ماوراءالنہر میں چغتائی'
تیموری اور اوزبک سلاطین سے کشمکش میں مصروف رہے' اور ان کے مقابلہ میں اتنی لڑائیاں اور
کارنامے کیے کہ زبانِ قلم میں یہ تاب و طاقت نہیں کہ ان کی پوری تعداد اور کیفیت بیان کرے۔

بادشاہی کرنے میں جتنی تکلیفیں اور شدید خطرے ہمارے حضرت بادشاہ کو پیش آئے اُتنے
شاید ہی کسی کو پیش آئے ہوں' اور جنگ کے میدانوں میں اور خطروں میں جیسا تحمل اور جیسی مردانگی
اور دلیری آپ نے دکھائی اس کی مثال کسی اور بادشاہ کے ذکر میں بمشکل ملے گی' تین دفعہ اپنی تلوار
کے زور سے آپ نے سمرقند فتح کیا' پہلی دفعہ جب آپ کی عمر بارہ سال کی تھی' دوسری دفعہ اُنیس
سال کی عمر میں اور تیسری دفعہ جب آپ کی عمر بائیس سال کی تھی' چھ مہینے تک آپ سمرقند میں محصور رہے'
آپ کے چچا سلطان حسین مرزا بایقرا نے جو خراسان کے حاکم تھے آپ کو کمک نہ بھیجی اور اسی طرح

آپ کے ماموں سلطان محمود خاں جو کاشغر میں حکمراں تھے انہوں نے بھی آپ کی مدد نہ کی، اور جب کسی طرف سے بھی مدد نہ ملی تو آپ مایوس ہو گئے۔

اس نازک وقت میں شاہی بیگ خاں نے کہلا کر بھیجا کہ اگر اپنی بہن خانزادہ بیگم کی شادی مجھ سے کر دو تو ہمارے اور تمہارے درمیان صلح ہو جائے گی اور اتحاد اور دوستی قائم ہو جائے گی، آخر یہی کرنا پڑا، خانزادہ بیگم کی شادی خان مذکور سے کر دی اور خود محاصرہ سے باہر نکل گئے، اس وقت آپ کے ساتھ دو سو پیدل سپاہی تھے جن کے بدن پر چپان اور پاؤں میں گھوڑی جوتیاں تھیں اور ہاتھوں میں ڈنڈے، اس بے سروسامانی کی حالت میں خدا پر توکل کر کے بدخشاں کی سرزمین اور کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

قندوز اور بدخشاں میں خسرو شاہ اپنے لشکر اور اہل وعیال سمیت موجود تھا وہ آکر بادشاہ کے حضور میں آداب بجا لایا، اس سے بہت سی سنگین خطائیں سرزد ہوئی تھیں مثلاً بایسنغر مرزا کا قتل کرنا اور سلطان مسعود مرزا کو اندھا کرنا، یہ دونوں بادشاہ کے چچا کے بیٹے تھے اور اس سے پہلے اس زمانہ میں جبکہ حضرت بادشاہ اپنے دشمنوں سے جنگ میں مصروف تھے اور آپ ضرورتاً اس کے علاقہ میں سے گزرے تھے تو اس نے بہت درشتی اور سختی سے آپ کو اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا، مگر حضرت بادشاہ مردانگی اور مروّت کا مجسمہ تھے، انتقام کا خیال دل میں ہرگز نہ لائے بلکہ فرمایا کہ اپنے جواہرات اور چاندی سونے کے ظروف جس قدر اس کا جی چاہے اپنے ساتھ لے جائے، اس نے پانچ چھ قطار اونٹ اور پانچ چھ قطار بار برداری کے خچر اپنے ساتھ لیے اور بادشاہ سے اجازت لے کر خراسان کی طرف چلا گیا، حضرت بادشاہ کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

ان دنوں کابل کی حکومت محمد مقیم ارغون کے ہاتھ میں تھی جو ذوالنون ارغون کے بیٹے تھے اور ناہید بیگم کے دادا، الغ خاں کی وفات کے بعد انہوں نے کابل عبدالرزاق مرزا سے چھین لیا تھا عبدالرزاق مرزا بادشاہ کے چچا کے بیٹے تھے۔

بادشاہ صحت اور سلامتی سے کابل پہنچے، دو تین روز محاصرہ رہا چند دن کے بعد محمد مقیم ارغون نے عہد و پیمان کر کے کابل بادشاہ کے آدمیوں کے سپرد کر دیا اور اپنا مال و اسباب لے کر اپنے باپ کے پاس قندھار چلے گئے، یہ کابل کی فتح اواخر ماہ ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں ہوئی اور کابل کی تسخیر کے بعد بادشاہ بنگش چلے گئے اور اس مقام کو ایک ہی حملہ میں فتح کر کے واپس کابل آ گئے۔

حضرت خانم جو بادشاہ کی والدہ تھیں وہ چھ روز بخار میں مبتلا رہنے کے بعد اس عالم فانی سے

ملک الیتا کی طرف روانہ ہوئیں، باغ نوروزی میں انھیں دفن کیا گیا، اس باغ کے مالک جد ہاں کے جاگیردار تھے انھیں بادشاہ نے ایک ہزار مثقال کے وزن کے سکّے دے کر رخصت کیا۔ اس اثنا میں سلطان حسین مرزا کی جانب سے بہت تاکیدی خط آئے کہ میں ازبکوں کے خلاف جنگ کا ارادہ کر رہا ہوں اگر آپ بھی آجائیں تو بہت اچھا ہے۔ حضرت بادشاہ پہلے ہی خدا سے یہ چاہتے تھے، چنانچہ آپ سلطان حسین مرزا کی مدد کو روانہ ہوئے، مگر ابھی راستہ ہی میں تھے کہ خبر آئی کہ سلطان حسین مرزا کا طائر روح پرواز کر گیا۔ حضرت بادشاہ کے امرا نے عرض کی کہ اب چونکہ سلطان حسین مرزا کا انتقال ہو گیا ہے اس لیے مناسب یہی ہے کہ واپس کابل چلے جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اب اس قدر مسافت تو طے کر ہی چکے ہیں اب تو مرزا مرحوم کے عزیزوں سے ماتم پرسی کر کے جائیں گے، چنانچہ آپ خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔

جب بادشاہ کے آنے کی خبر پہنچی تو سوائے بدیع الزماں مرزا کے سلطان حسین مرزا کے سب بیٹے مل کر آپ کا استقبال کرنے گئے، سلطان حسین مرزا کے امرا برندوق بیگ اور ذوالنون بیگ نے کہا کہ بادشاہ بدیع الزماں مرزا سے پندرہ سال چھوٹے ہیں اس لیے مناسب بات یہی ہے کہ پہلے بادشاہ تعظیم کر کے ملیں۔

قاسم بیگ نے جواب میں کہا کہ اگرچہ عمر میں بادشاہ چھوٹے ہیں مگر چنگیزی قانون کی رو سے انھیں فوقیت حاصل ہے، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ بادشاہ جھک کر تعظیم کریں اس کے بعد بدیع الزماں مرزا بادشاہ کی تعظیم کے لیے آگے بڑھ کر ان سے گلے ملیں؛ جب بادشاہ دروازہ سے اندر داخل ہوئے تو مرزا بے خیال بیٹھے تھے، قاسم بیگ نے حضرت بادشاہ کی پیٹی پکڑ کر کھینچی (اور انھیں آگے بڑھ کر تعظیم کرنے سے روک دیا) اور برندوق بیگ اور ذوالنون بیگ سے کہا کہ قرار یہ پایا تھا کہ مرزا آگے بڑھ کر آئیں اور گلے ملیں، اسی اثنا میں مرزا (نے جو دیکھا کہ بادشاہ آگئے تو وہ) بہت گھبرا کر آگے بڑھے اور آ کر بادشاہ سے گلے ملے۔

جتنے دن بادشاہ خراسان میں رہے سلطان حسین مرزا کے بیٹے آپ کی بہت خاطر مدارات کرتے رہے۔ بہت سی دعوتیں کیں اور سب باغات اور قابل دید مقامات کی سیر کرائی۔

مرزایان نے اصرار کیا کہ آپ موسم سرما یہیں بسر کریں اور توقف فرمائیں تاکہ سردی کے بعد ہم ازبکوں سے جنگ کر سکیں، مگر جنگ کے متعلق وہ آپس میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکے۔

اتنی مدت تک سلطان حسین مرزا نے خراسان کو آباد اور معمور رکھا تھا مگر ان کے بیٹے چھ مہینے تک

بھی اپنے باپ کے ملک کی حفاظت نہ کر سکے۔

جب حضرت بادشاہ نے ان کی یہ بے پروائی دیکھی تو آپ ان جگہوں کے دیکھنے کے بہانے جو آپ نے اپنے خرچ اخراجات کے حصول کے لیے مقرر کی تھیں کابل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس سال برف بہت پڑی تھی، اس کی وجہ سے راستہ بھول گئے۔ بادشاہ سلامت اور قاسم بیگ نے نزدیک کا راستہ اختیار کیا تھا، مگر امرا نے ایک اور راستہ کا مشورہ دیا اور چونکہ ان کی بات نہ مانی گئی اس لیے وہ سب آپ کو چھوڑ کر اپنے راستہ پر چلے گئے، تین چار دن تک یہ کیفیت رہی کہ بادشاہ سلامت اور قاسم بیگ اور اس کے بیٹے برف ہٹا کر راستہ بناتے تھے اور لشکر کے آدمی ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، اسی طور سے غوربند پہنچے، وہاں ہزارہ قبیلے کے کچھ باغیوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ ہوئی، ہزارہ کے لوگوں کی بہت سی گائیں بھیڑیں اور مال اسباب بادشاہ کے آدمیوں کے ہاتھ آیا، اور یہ بے شمار مال غنیمت لے کر وہ کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

جب کوہ منار کے دامن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مرزا خاں اور مرزا محمد حسین گورگان باغی ہو گئے ہیں اور انہوں نے کابل کا محاصرہ کر رکھا ہے، کابل کے قلعہ میں جو آپ کے آدمی محصور تھے ان کے نام حضرت بادشاہ نے دلاسا اور تسلی کے خط بھیجے کہ ہمت نہ ہارو ہم بھی آپہنچے ہیں، ہم کوہ بیبی ماہ پر آگ جلائیں گے اور تم خزانہ کی عمارت پر روشنی کرنا تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم ہماری آمد سے باخبر ہو، صبح کے وقت اس جانب سے تم اور اس طرف سے ہم غنیم پر حملہ کریں گے، مگر قلعہ کے آدمیوں کے باہر نکلنے سے پہلے ہی آپ نے جنگ کر کے فتح حاصل کر لی۔

مرزا خاں اپنی والدہ کے مکان میں چھپ گئے، جو بادشاہ کی خالہ تھیں، مرزا محمد حسین اپنی بیوی کے گھر میں پناہ گزیں ہوئے، وہ بادشاہ کی چھوٹی خالہ تھیں، مرزا محمد حسین کو اپنی جان کا خوف تھا، وہ ایک قالین پر لیٹ گئے اور اپنے خادم سے کہا کہ قالین کو لپیٹ کر باندھ دے، آخر بادشاہی آدمیوں کو خبر ہوئی، انہوں نے آکر مرزا محمد حسین کو قالین میں سے نکال لیا اور انھیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا، حضرت بادشاہ نے اپنی خالاؤں کی خاطر سے ان کی خطا معاف کر دی اور جس طرح پہلے ہر روز اپنی خالاؤں کے گھر آتے جاتے تھے اسی طرح ان کے ہاں آمد و رفت جاری رکھی، بلکہ ان سے اور بھی زیادہ مہربانی سے پیش آتے رہے تاکہ ان کے دل میں کسی طرح کا رنج یا کلفت نہ آنے پائے، اور میدانی علاقہ میں آپ نے ان کے لیے جاگیر مقرر فرمائی۔

اس طرح خدا تعالیٰ نے کابل کو مرزا خاں سے نجات دلائی اور آپ کے سپرد کیا، اس وقت

آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی، آپ کا کوئی بچہ نہیں تھا اور اولاد کی آپ کے دل میں بہت آرزو تھی، جب آپ کی عمر ستو سال کی تھی تو آپ کے ہاں عائشہ سلطان بیگم دختر سلطان احمد مرزا سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو تین مہینہ کی ہو کر فوت ہو گئی، کابل کی فتح خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے بہت مبارک کی کیونکہ اس کے بعد آپ کے ہاں اٹھارہ بچے پیدا ہوئے، اوّل آکم یعنی ماہم بیگم سے حضرت ہمایوں بادشاہ، باربول مرزا، مہرجہاں بیگم، ایشان دولت بیگم اور فاروق مرزا معصومہ سلطان بیگم دختر سلطان احمد مرزا کے ہاں ایک لڑکی ہوئی جس کی پیدائش کے وقت آپ فوت ہو گئیں، لڑکی کا نام ماں کے نام پہ رکھ دیا گیا۔

گلرخ بیگم سے کامراں مرزا، عسکری مرزا، شاہ رخ مرزا، سلطان احمد مرزا، اور گلعذار بیگم۔

دلدار بیگم سے گلرنگ بیگم، گل چہرہ بیگم، ہندال مرزا، گل بدن بیگم اور آلور مرزا۔

غرض کابل کا لینا نیک فال سمجھتے تھے کیونکہ سب بچے وہیں پیدا ہوئے۔ سوائے دو لڑکیوں کے جن کی پیدائش خوست میں ہوئی یعنی مہرجہاں بیگم ماہم بیگم سے اور گلرنگ بیگم دلدار بیگم سے۔

حضرت فردوس مکانی کے سب سے بڑے بیٹے حضرت ہمایوں بادشاہ کی پیدائش مبارک سہ شنبہ کی رات ۴ ذیقعد ۹۱۳ھ کو کابل کے قلعہ میں ہوئی، اس وقت آفتاب برج حوت میں تھا، اسی سال حضرت فردوس مکانی نے اپنے سب امرا اور سب لوگوں سے کہا کہ مجھے بابر بادشاہ کہا کرو، حضرت ہمایوں بادشاہ کی پیدائش سے پہلے آپ مرزا بابر کہلاتے تھے اور سب بادشاہوں کے بیٹے بھی مرزا کہلاتے تھے، ہمایوں بادشاہ کی پیدائش کے سال میں آپ نے بابر بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ حضرت جنت آشیانی کی پیدائش کی تاریخ "سلطان ہمایوں خاں" ہوئی، ایک اور تاریخ "شاہ قدر" ہوئی۔

بچوں کی پیدائش کے بعد خبر آئی کہ شاہی بیگ خاں (اوزبک) کو شاہ اسمٰعیل نے شکست دے کر قتل کر دیا، یہ خبر سن کر حضرت بادشاہ نے کابل ناصر مرزا کی حفاظت میں دیا اور اپنے اہل و عیال اور بچوں کو لے کر جن میں ہمایوں بادشاہ، مہرجہاں بیگم، باربول مرزا، معصومہ سلطان بیگم اور مرزا کامراں شامل تھے سمرقند کا رخ کیا، شاہ اسمٰعیل کی مدد سے آپ نے سمرقند فتح کیا، اور پورے آٹھ مہینے تک ماوراالنہر کا علاقہ آپ کے تصرف میں رہا مگر بھائیوں کی ناموافقت اور اہل مغل کی مخالفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بمقام "کول ملک" عبیداللہ خاں نے آپ کو ہزیمت دی اور چونکہ اس علاقہ میں آپ قدم نہ جما سکے اس لیے بدخشاں اور کابل کی طرف واپس چلے آئے اور آئندہ کے لیے ماوراالنہر کا خیال

دماغ سے نکال دیا۔

کابل پر آپ کا تسلط ۹۱۰ھ میں ہوا تھا، آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ ہندوستان میں آئیں مگر امرا کی بددلی اور بھائیوں کی ناموافقت کی وجہ سے اب تک یہ ملک فتح ہوکر آپ کے قبضہ میں نہیں آیا تھا، آخر جب بھائیوں کا انتقال ہوگیا اور امرا میں بھی کوئی ایسا نہ رہا جو آپ کی مزاحمت کر سکے تو آپ نے اپنا مقصد پورا کیا۔

۹۲۵ھ میں بجور دو تین گھنٹے میں فتح کرلیا، اور بجور کے باشندوں کا قتل عام کیا، اسی دن افغانی آغاچہ کے والد ملک منصور یوسف زئی بادشاہ کے حضور میں آکر آداب بجالائے، حضرت بادشاہ نے ان کی بیٹی افغانی آغاچہ کو اپنے عقد میں لے لیا اور ملک منصور کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور ایک گھوڑا اور شاہانہ خلعت ان کو عنایت کیا اور کہا کہ اپنے آدمیوں اور رعایا وغیرہ کو لاکر اپنے وطن میں آباد کریں۔

قاسم بیگ نے کابل سے عرضداشت بھیجی کہ ایک اور شہزادہ پیدا ہوا ہے اسے ہندوستان کی فتح اور اس کے تخت پر قبضہ کی نیک فال سمجھتا ہوں اور اس لیے آپ کو مطلع کرنے کی جرأت کرتا ہوں، حضرت بادشاہ کو اختیار ہے جو ان کی مرضی ہو، چنانچہ بادشاہ سلامت نے مبارک ساعت دیکھ کر شہزادہ کا نام مرزا ہندال رکھا۔

بجور کی تسخیر کے بعد بھیرہ کی طرف روانہ ہوئے، اور بھیرہ پہنچ کر بغیر قتل و غارت کے اس کو اماں بخشی، آپ نے چار لاکھ شاہرخی لے کر اپنے امرا میں ان کے ملازمین کی تعداد کے مطابق تقسیم کردیں اور کابل کی طرف واپس ہوئے۔

اس اثنا میں بدخشاں سے یہ عرضداشت آئی کہ مرزا خاں کا انتقال ہوگیا ہے، مرزا سلیمان نوعمر ہیں اور اوزبک نزدیک آپہنچے ہیں اس ولایت کا خیال کیجئے کہ مبادا بدخشاں ہاتھ سے جاتا رہے بدخشاں کی طرف ابھی متوجہ نہ ہوئے تھے کہ مرزا سلیمان کی والدہ انھیں لے کر آپ کے حضور میں آگئیں، آپ نے ان کی خواہش کے مطابق مرزا سلیمان کو اپنے باپ کی جگہ اور جاگیر میں متعین فرمایا اور بدخشاں ہمایوں بادشاہ کے سپرد کیا اور ہمایوں بادشاہ اس صوبہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت بادشاہ اور آکم بھی بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کچھ روز ایک دوسرے کے ساتھ گزارے، اس کے بعد حضرت ہمایوں بادشاہ نے تو وہیں قیام کیا اور بادشاہ

بابام اور آکم کابل آ گئے۔

کچھ دنوں بعد قلات اور قندھار کی طرف روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی قلات کو فتح کیا اور قندھار کی طرف متوجہ ہوئے اور ڈیڑھ سال تک قلعہ کا محاصرہ کیے رہے' اس کے بعد بڑی جنگ و جدال کے بعد قندھار عنایت الٰہی سے فتح ہوا' بہت سا مال و دولت ہاتھ آیا۔ آپ نے اپنے ہمراہیوں اور سپاہیوں کو روپے اور اونٹ بخشش کیے' مرزا کامران کو قندھار دیا اور خود کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ نے شاہی پیش خانہ آگے بھجوادیا اور جمعہ کے دن ماہ صفر 932ھ میں جب آفتاب برج قوس میں تھا آپ نے ایک لنگہ کی پہاڑی سے گزر کر دیہہ یعقوب میں نزول اجلال فرمایا' دوسرا دن وہیں گزرا اور اس کے بعد منزلیں طے کرتے ہوئے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

935ھ کے بعد سے سات آٹھ سال کے عرصہ میں آپ نے کئی مرتبہ ہندوستان پر لشکر کشی کی اور ہر مرتبہ ایک نہ ایک ولایت یا پرگنہ فتح کیا' مثلاً بھیرہ' بجور' سیالکوٹ' دیپال پور' لاہور وغیرہ آخر پانچویں مرتبہ جمعہ کے روز یکم صفر 932ھ میں دیہہ یعقوب میں قیام کے بعد ہندوستان کا رُخ کیا اور لاہور اور سرہند اور ہر ایک ولایت جو راستہ میں تھی اسے فتح کیا۔ اور 8 ماہ رجب جمعہ کے روز 932ھ میں پانی پت کے مقام پر سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن بہلول لودھی سے سامنا ہوا، عنایت الٰہی سے آپ اس پر غالب آئے' سلطان ابراہیم اس جنگ میں مارا گیا اور یہ فتح محض خدا کی مہربانی سے ہوئی کیونکہ سلطان ابراہیم کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار سوار تھے اور پندرہ سو جنگی ہاتھی اور حضرت بادشاہ کی فوج کی تعداد سوداگروں اور بُرے بھلے آدمیوں سمیت کل بارہ ہزار تھی اور کارآمد سپاہی زیادہ سے زیادہ چھ سات ہزار تھے' پانچ بادشاہوں کے خزانے آپ کے ہاتھ آئے اور آپ نے ان سب کو آدمیوں میں بانٹ دیا' ہندوستان کے امرا نے عرض کی کہ اس ملک میں یہ بات معیوب سمجھی جاتی ہے کہ پہلے بادشاہوں کا خزانہ صرف کر دیا جائے' بلکہ اس خزانہ میں اور اضافہ کر کے اسے جمع رکھتے ہیں' آپ نے اس کے برعکس کیا اور سب خزانہ آدمیوں کو بخش دیا۔

خواجہ کلاں بیگ نے کئی دفعہ کابل واپس جانے کی اجازت چاہی اور عذر کیا کہ ہندوستان کی آب و ہوا میرے مزاج کے موافق نہیں' اگر اجازت ہو تو کچھ عرصہ کابل میں رہوں مگر حضرت بادشاہ خواجہ سے جدا ہونا ہرگز پسند نہ کرتے تھے آخر جب آپ نے دیکھا کہ خواجہ بہت ہی مُصر ہیں تو اجازت دے دی اور کہا کہ جب جاؤ تو ہندوستان کے تحفے اور نادر چیزیں

نہ سلطان ابراہیم پر فتح حاصل کر کے ہمارے ہاتھ آئی ہیں اپنے ساتھ لیتے جانا اور انھیں بزرگ بیگمات اور ہماری بہنوں اور گھر کی عورتوں کو دے دینا، ہم تمہیں ایک فہرست بنا کر دیں گے اُس کے مطابق تقسیم کر دینا' اور کہنا کہ دیوان خانہ کے باغ میں سب بیگمات کے لیے جدا جدا خیمے اور سراپردے نصب کیے جائیں اور جب مجمع خوب پُر رونق ہو جائے تو سب خدا کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لائیں کہ ایسی مکمل فتح نصیب ہوئی اور ہر ایک بیگم کو اس تفصیل سے تحفے دینا' ایک رقاصہ لڑکی سلطان ابراہیم کی لونڈیوں میں سے اس کے ساتھ ایک سونے کی رکابی جو جواہر اور لعل اور مروارید اور یاقوت الماس زمرد' فیروزہ اور زبرجد اور عین الہر سے بھری ہو' اور دو چھوٹے صدفی خوان اشرفیوں سے بھرے اور دو خوان شاہرخی سکے' اور ان کے علاوہ ہر قسم کے کپڑے جن میں سے ہر ایک کی تعداد نو ہو' اس طرح (ہر ایک بیگم کے حصہ کے) چار خوان اور ایک رکابی جواہرات کی' ایک اشرفی کی اور ایک شاہرخی کی بزرگ بیگمات کو پیش کرنا' اور ہر ایک کو وہی جواہرات کی رکابی اور ہر لونڈی دینا جو میں نے اس کے لیے تجویز کی ہے' اس کے علاوہ اور تحفے بھی ہوں گے انہیں بعد میں پیش کرنا، غرض میری بہنوں اور بچوں کو اور گھر کی عورتوں اور رشتہ داروں اور بیگمات کو' اور گھر کی منتظم عورتوں اور اناؤں اور ان کے بچوں کو اور ان سب کو جو میرے دعاگو ہیں الگ الگ جواہر اور اشرفیاں اور شاہرخی' اور کپڑے دیے جائیں' چنانچہ اسی تفصیل سے دیے گئے' تین دن تک باغ اور دیوان خانہ میں سب جمع ہو کر خوشی مناتے رہے اور فخر کرتے رہے' حضرت بادشاہ کی سلامتی اور اقبال کے لیے سب نے دعا مانگی اور خوشی سے شکر کے سجدے بجا لائے۔

بادشاہ نے خواجہ کلاں بیگ کے ہاتھ عسس کے لیے ایک بڑی سی اشرفی بھیجی تھی جو وزن میں تین بادشاہی سیر یعنی پندرہ ہندوستانی سیر کے برابر تھی' آپ نے خواجہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر عسس تم سے پوچھے کہ بادشاہ نے میرے لیے کیا بھیجا ہے تو کہہ دینا کہ ایک اشرفی بھیجی ہے' اور واقعی ایک ہی اشرفی تھی' عسس نے اس پر تعجب کیا اور تین دن تک اس بات پر اپنے دل میں کڑھتا رہا' بادشاہ نے فرمایا تھا کہ اشرفی میں سوراخ کر کے اس میں ڈوری ڈالی جائے اور عسس کی آنکھیں بند کر کے اشرفی اس کے گلے میں لٹکا دی جائے اور اسے گھر کے اندر بھیج دیا جائے'، جونہی کہ اشرفی عسس کے گلے میں ڈالی گئی تو اُس کے بوجھ سے وہ بہت گھبرایا مگر دل میں بہت خوش ہوا' اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی اشرفی کو تھام لیا اور خوش ہو کر کہتا تھا دیکھو میری اشرفی کو کوئی نہ لے' بیگمات میں سے ہر ایک نے اسے دس بارہ اشرفیاں دیں' اس طرح ستر اسی اشرفیاں اس کے پاس اور

جمع ہوگئیں۔

خواجہ کلاں بیگ کے کابل پہنچنے کے بعد حضرت بادشاہ نے ہمایوں بادشاہ اور سب مرزایان اور سلاطین اور امرا کو انعام و اکرام بخشے اور اردگرد کے علاقوں میں تاکیدی فرمان بھیجے کہ جو کوئی ہماری ملازمت میں آئے ہم اس سے انتہائی مہربانی کریں گے، بالخصوص وہ لوگ جو ہمارے آباؤ اجداد کی خدمت کرتے رہے ہیں اگر ہمارے حضور میں آئیں تو انھیں خاطر خواہ انعامات عطا کیے جائیں گے، اور جو کوئی صاحبقراں امیر تیمور یا چنگیز خاں کی نسل سے ہو وہ ہمارے حضور میں آئے، خدا نے ہندوستان کا ملک ہمیں عطا کیا ہے۔ وہ آئیں تاکہ ہم سب مل کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوں۔

سلطان ابوسعید مرزا کی سات لڑکیاں ہندوستان آئی تھیں یعنی گوہر شاد بیگم، فخر جہاں بیگم، خدیجہ سلطان بیگم، بدیع الجمال بیگم، آق بیگم، سلطان بخت بیگم اور زینت سلطان خانم جو بادشاہ کے ماموں سلطان محمود خاں کی بیٹی تھیں اور محب سلطان خانم جو بادشاہ کے چھوٹے ماموں الاچہ خاں کی بیٹی تھیں، قصہ مختصر کل بیگمات تعداد میں چھیانوے تھیں، ان سب کے لیے آپ نے خاطر خواہ مکان، جاگیریں اور انعامات مقرر فرمائے، آگرہ میں آپ کا قیام چار سال تک رہا اور اس عرصہ میں آپ ہر جمعہ کے دن اپنی پھوپھیوں سے ملنے جاتے رہے، ایک دن ہوا بہت گرم تھی، حضرت آکام نے کہا کہ آج ہوا بہت گرم ہے، ایک دن نہ جاؤ تو کیا ہے، بیگمات کوئی اس وجہ سے ناراض نہیں ہوں گی، حضرت بادشاہ نے کہا " ماہم تعجب ہے کہ تم ایسی باتیں کہتی ہو، حضرت ابوسعید سلطان مرزا کی بیٹیاں جو اپنے باپ اور بھائیوں سے جدا ہو گئی ہیں اگر میں ان کی خاطر جوئی نہ کروں تو کس طرح ہو۔"

قاسم معمار سے آپ نے فرمایا " ہم ایک اپنی خدمت تمہارے سپرد کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اگر ہماری پھوپھیوں کے مکانات میں کسی کام یا درستی کی ضرورت ہو تو تم اس خدمت کو اور باتوں پر مقدم رکھ کر دل و جان سے پورا کرو۔"

آپ نے حکم دیا کہ آگرہ میں دریا کے دوسری طرف عمارتیں بنائیں اور ایک پتھر کی عمارت حرم اور باغ کے درمیان بنوائی یہ آپ کا خلوت خانہ تھا، دیوان خانہ کے احاطہ میں بھی آپ نے پتھر کی عمارت بنوائی جس کے بیچ میں ایک حوض تھا اور کونوں پر چار برج تھے اور ہر ایک برج میں چار حجرے تھے، اور دریا کے کنارے ایک چوکنڈی تعمیر کروائی، اور دھول پور میں پتھر کے ایک سالم ٹکڑے سے دہ دردہ حوض بنوایا، آپ کہا کرتے تھے کہ جب یہ حوض تیار ہو جائے گا تو اسے شراب سے بھرا جائے گا، چونکہ آپ نے رانا سانگا سے جنگ کرنے سے پہلے شراب سے توبہ کرلی

تھی یہ حوض بجائے شراب کے شربت لیموں سے پُر کیا گیا۔

سلطان ابراہیم پر فتح حاصل کرنے کے ایک سال بعد ہندوؤں کی طرف سے رانا سانگا نمودار ہوا اور اس کے ساتھ بے شمار لشکر تھا، بہت سے امرا اور راجہ اور رانا جو حضرت بادشاہ کی اطاعت قبول کر چکے تھے، باغی ہو کر اس کے ساتھ جا ملے، یہاں تک کہ کول، جلالی اور سنبھل اور ماپری سب پرگنے، اور رائے اور راجہ اور افغان سب کے سب باغی ہو گئے اور دو لاکھ سواروں کا اجتماع ہو گیا۔

اس نازک وقت میں محمد شریف منجم نے لشکر کے آدمیوں سے کہا کہ بادشاہ کے لیے جنگ کرنا مناسب نہیں کیونکہ سکز یلدوز (آٹھ تارے) مخالف سمت میں ہیں، بادشاہی لشکر پر عجیب پریشانی چھا گئی اور سب آدمی بہت ہی متفکر اور مغموم ہو گئے اور بددلی کا اظہار کرنے لگے، جب بادشاہ سلامت نے اپنی فوج کی یہ کیفیت دیکھی تو صورت حالات پر پورے طور سے غور کیا اور جب غنیم قریب آ پہنچا تو جو تدبیر آپ کی خاطر مبارک میں آئی وہ یہ تھی کہ آپ نے سب امرا اور خوانین اور سلاطین، عوام اور خواص، چھوٹے بڑے غرض جتنے بھی آدمی بھگوڑوں اور باغیوں کے بعد باقی بچے تھے سب کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا، جب سب جمع ہو کر آئے تو آپ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں ہمارے اور ہمارے عزیز وطن اور شہر کے درمیان کتنے مہینوں کا راستہ حائل ہے؟ اگر خدانہ کرے ہمارے آدمیوں کو شکست ہوئی تو نعوذ باللہ پھر ہم کہاں اور ہمارا وطن اور شہر کہاں؟ یہاں تو اجنبی اور بیگانہ لوگوں سے سابقہ ہے، پس تم سے ہر ایک کے لیے یہ اچھا ہے کہ وہ یہ دو باتیں اپنے پیش نظر کر لے کہ اگر ہم غنیم پر غالب آئے تو غازی بنیں گے اور اگر جنگ میں مارے گئے تو شہید ہو جائیں گے، ان دونوں باتوں میں سے جو بھی ہماری تقدیر میں ہو اس میں ہماری بھلائی ہے اور بڑا درجہ اور عالی مرتبہ ہے۔"

سب نے متفق ہو کر اس بات کو قبول کیا اور زن طلاق اور قرآن شریف کی قسم کھائی، انہوں نے فاتحہ پڑھی اور کہا "بادشاہ سلامت! جب تک جان اور بدن میں ایک رمق باقی ہے جاں نثاری اور وفاداری سے دریغ نہیں کریں گے۔"

رانا سانگا کی جنگ سے دو دن پہلے حضرت بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی تھی اور سب ممنوع باتیں ترک کر دی تھیں، اس مجلس میں آپ کی تقلید میں چار سو نامی جوانوں نے جو مردانگی اور نیک دلی اور یک جہتی کا دعویٰ رکھتے تھے ان سب نے بھی آپ کے طفیل سے توبہ کی اور سب

آلات مناہی سونے کے برتن اور چاندی کے ظروف شراب کے پیالے اور صراحیاں وغیرہ سب کو توڑ پھوڑ کر فقرا اور مساکین میں بانٹ دیا۔

اور آپ نے ہر طرف تاکیدی فرمان جاری کیے کہ ہم نے سب قسم کے خراج اور محصول اور غلہ پر لگان اور سب قسم کے خلاف قانون ٹیکس معاف کر دیے ہیں اور کوئی شخص تاجروں کی نقل و حرکت میں مزاحم نہ ہو بلکہ انھیں ہر جگہ سے گزرنے دیں تاکہ وہ سہولت اور آرام سے آمد و رفت کر سکیں۔

جس دن صبح کو رانا سانگا سے جنگ ہونے والی تھی اُس دن کی رات کو خبر آئی کہ قاسم حسین مرزا خراسان سے آئے ہیں اور دس کوس کے فاصلہ پر ہیں، قاسم حسین مرزا عائشہ سلطان بیگم کے بیٹے اور سلطان حسین مرزا کے نواسے تھے، حضرت بادشاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے، پوچھا کہ قاسم حسین مرزا کے ساتھ کتنے آدمی ہیں، معلوم ہوا کہ تیس یا چالیس سوار ہیں، آپ نے فوراً ایک ہزار سوار ساز و سامان سے آراستہ آدھی رات کے وقت روانہ کیے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر آئیں اور دشمن اور غیر لوگ یہ سمجھیں کہ کمک آ پہنچی ہے اور آئی بھی خوب بر وقت ہے، جس کسی نے بھی آپ کی یہ رائے اور تدبیر سُنی بہت پسند کی۔

دوسرے دن صبح یعنی جمادی الاول 932ھ کو کوہ سیکری کے دامن میں جس کے اوپر اب فتح پور آباد ہے رانا سانگا کے خلاف صف جنگ آراستہ کی اور خدا کی عنایت سے اس پر فتح حاصل کر کے غازی بنے۔

رانا سانگا کی فتح کے ایک سال بعد آکام یعنی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئیں اور یہ ناچیز (گلبدن بیگم) بھی ان کے ساتھ اپنی اور بہنوں سے پہلے ہندوستان پہنچی اور حضرت بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئی، جب آکام کول پہنچیں تو حضرت بادشاہ نے دو پالکیاں مع رکیب آپ کے لیے بھیجیں۔ کول سے آگرہ تک آپ جلدی جلدی سفر کر کے پہنچیں۔ حضرت بادشاہ چاہتے تھے کہ کول جلالی تک آپ کے استقبال کے لیے جائیں، شام کی نماز کے وقت ایک شخص نے آکر کہا کہ آپ کی سواری یہاں سے دو کوس کے فاصلہ پر چھوڑ کر آیا ہوں، حضرت بادشاہ نے اپنے گھوڑے کے آنے کا بھی انتظار نہ کیا اور پیدل روانہ ہو گئے، اور نیچہ ماہم کے مکان کے سامنے آپ سے جا ملے، آکام نے چاہا کہ سواری سے اُتر پڑیں مگر بابام نے اتنا انتظار نہ کیا بلکہ خود آکام کی سواری کے ساتھ ساتھ مکان تک پیدل آئے۔ جب آکام بادشاہ بابام کے سامنے آئیں تو مجھ سے فرمایا کہ

تم صبح کے وقت آکر آداب کرنا۔

کابل سے آگرہ تک آکام کی سواری کے ساتھ نو سوار تھے، اور اٹھارہ نازک گھوڑے، دو زائد پالکیاں جو بادشاہ بابام نے بھیجی تھیں اور ایک پالکی جو آپ کے ساتھ کابل سے آئی تھی، اور آپ کے جلو میں ایک سو مغلانیاں تھیں جو بہت عمدہ گھوڑوں پر سوار اور خوب آراستہ و پیراستہ تھیں۔

بادشاہ بابام کے وزیر اپنی بیوی سلطانم کے ساتھ نوگرام تک استقبال کے لیے آئے تھے، میں پالکی میں تھی اور میری ماماؤں نے مجھے باغیچہ میں اُتارا اور وہیں ایک چھوٹا سا قالین بچھا کر مجھے اس پر بٹھا دیا، اور مجھے یہ سکھایا کہ جب بادشاہ کے وزیر صاحب آئیں تو تم کھڑے ہو کر اُن سے ملنا۔ جب وہ آئے تو میں کھڑی ہو کر اُن سے ملی، اتنے میں ان کی بیوی سلطانم بھی آگئیں، میں انجانی میں ان کی تعظیم کے لیے بھی کھڑا ہونا چاہتی تھی مگر وزیر صاحب نے اعتراض کیا اور کہا "یہ تو تمہاری پُرانی بڑھیا ماما ہے، اس کے لیے کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے والد نے اس بوڑھے غلام کی بہت عزت افزائی کی کہ اس کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اس سے کھڑے ہو کر ملو! اُن کے لیے سب کچھ روا ہے، مگر بندوں کی کیا مجال ہے کہ ایسی گستاخی کریں۔"

وزیر صاحب نے پانچ ہزار شاہرخی اور پانچ گھوڑے مجھے پیش کیے جو میں نے قبول کیے اور ان کی بیوی سلطانم نے تین ہزار شاہرخی اور تین گھوڑے پیش کیے اور کہا کھانا تیار ہے اگر تناول فرمائیں تو بندوں کی عزت افزائی ہوگی، میں نے ان کی دعوت قبول کی، ایک اچھی سی جگہ پر ایک تخت بچھایا گیا اور اس پر ایک سُرخ ریشمی چادر کا فرش کیا گیا جس کا حاشیہ گجراتی زربفت کا تھا، اور سرخ ریشم اور زربفت کے چھ شامیانے کھڑے کیے گئے جن میں ہر ایک کا اپنا جُدا رنگ تھا، اور سراپردہ کے چاروں طرف کپڑا سقرلات تھا، اور سراپردہ کی چوبیں رنگ برنگ کی تھیں۔

میں وزیر صاحب کے پاس بیٹھی، کھانے میں تقریباً پچاس بھُنی ہوئی بھیڑیں اور نان اور شربت اور بہت سے پھل تھے، کھانے کے بعد میں اپنی پالکی میں بیٹھ کر بادشاہ بابام کے حضور میں گئی اور آداب بجا لائی، میں آپ کے قدموں میں گر پڑی، آپ بہت خاطر سے پیش آئے اور کچھ دیر تک مجھے اپنی گود میں بٹھایا، اُس وقت مجھے ایسی خوشی ہوئی کہ اس سے بڑھ کر خوشی نہیں ہو سکتی۔

ہمیں آگرہ میں آئے تین مہینے گزرے تھے کہ حضرت بادشاہ دھول پور روانہ ہوئے، حضرت ماہم بیگم اور یہ ناچیز بھی آپ کے ساتھ دھول پور کی سیر کو گئے۔ دھول پور میں آپ نے ایک پتھر کے ٹکڑے سے دہ در دہ حوض بنوایا تھا، وہاں سے ہم سیکری گئے، وہاں تالاب کے بیچ میں آپ نے ایک

بارہ دری بنوائی تھی جب وہ بن کر تیار ہو گئی تو آپ کشتی میں بیٹھ کر جاتے تھے اور سیر کرتے تھے اور بارہ دری کے اندر بیٹھتے تھے، یہ بارہ دری اب تک موجود ہے، سیکری کے باغ میں آپ نے ایک چوکنڈی بنوائی تھی اور اس چوکنڈی میں ایک تورخانہ بنوایا تھا جہاں بیٹھ کر آپ اپنی کتاب لکھا کرتے تھے۔

میں اور افغانی آغاچہ نیچے کی منزل کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور آکام نماز پڑھنے چلی گئی تھیں، میں نے افغانی آغاچہ سے کہا کہ ذرا میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچو، افغانی آغاچہ نے میرا ہاتھ ایسے زور سے کھینچا کہ میرا پہنچا اُتر گیا، میں تکلیف سے رونے لگی، آخر کمان گر کو بلایا گیا، اس نے آکر میرا ہاتھ باندھا۔ پھر بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جب آگرہ پہنچے تو خبر آئی کہ بیگمات کابل سے آرہی ہیں، حضرت بادشاہ بابام نوگرام تک آکا جانم کے استقبال کے لیے گئے جو میری بڑی پھوپی اور آپ کی بڑی بہن تھیں، سب بیگمات جو آکا جانم کے ساتھ آئی تھیں وہ ان کی قیام گاہ میں بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوئیں، سب نے مل کر خوب خوشی منائی اور شکرانے کے سجدے کیے، اس کے بعد سب آگرہ گئے جہاں بادشاہ سلامت نے سب کو رہنے کے لیے مکان دیے اور چند دن کے بعد باغ "زرافشاں" کی سیر کو چلے گئے۔

اس باغ میں ایک وضو خانہ تھا، آپ نے اس کو دیکھ کر کہا "میرا دل سلطنت اور بادشاہی سے اُکتا گیا ہے، میں اب باغ "زرافشاں" میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں گا، اور خدمت کے لیے طاہر آفتابچی میرے لیے کافی ہے، اور یہ بادشاہی میں ہمایوں کے سپرد کرتا ہوں، یہ سن کر حضرت آکام اور آپ کے بچے بہت رنجیدہ ہوئے اور رونے لگے، اور سب نے مل کر کہا "خدا تعالیٰ آپ کو بادشاہی کی مسند پر بہت سے سال اور بے شمار قرنوں تک اپنی امان میں رکھے اور سب بچے آپ کے قدموں میں ہی رہ کر بڑی عمر تک پہنچیں"۔

کچھ دن کے بعد الور مرزا بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری نے درد شکم کی صورت اختیار کی، ہر چند حکما اور اطبا نے علاج کیا مگر ان کی بیماری بڑھتی گئی، آخر اسی مرض میں انتقال کیا۔ حضرت بادشاہ بہت رنجیدہ اور متاسف ہوئے اور مرزا الور کی والدہ اپنے اس نادر جہاں اور یگانہ عصر بیٹے کے صدمہ سے دیوانی ہو گئیں، حضرت بادشاہ نے جب ان کی یہ حد سے زیادہ غمزدہ کیفیت دیکھی تو آکام اور بیگمات سے کہا کہ چلو سب دھول پور کی سیر کو چلیں، آپ خود کشتی میں بیٹھ کر دھول پور روانہ ہوئے اور بیگمات نے بھی یہی پسند کیا کہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے راستے جائیں۔

اسی اثنا میں مولانا محمد فرغلی کی عرضداشت دہلی سے آئی جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمایوں مرزا بیمار ہیں اور ان کا عجب حال ہے' یہ خبر پاتے ہی حضرت بیگم جلد سے جلد دہلی کی طرف روانہ ہوں کیونکہ مرزا بہت گھبرا رہے ہیں' یہ سن کر حضرت آکام بہت پریشان ہوئیں اور اس پیاسے کی طرح جو پانی سے دور ہو دہلی کا رخ کیا اور متھرا میں ہمایوں مرزا سے جا ملیں' جب اپنی جہاں بیں آنکھ سے آپ نے انہیں دیکھا تو جتنا سنا تھا اس سے دس گنا انھیں زیادہ کمزور اور بیمار پایا' وہاں سے دونوں ماں بیٹے جو گویا عیسیٰ اور مریم تھے آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب وہ آگرہ پہنچے تو یہ حقیر اپنی بہنوں کے ساتھ فرشتہ خصائل حضرت ہمایوں کے حضور میں گئی' آپ کا ضعف بڑھتا جاتا تھا' اس وقت جب کبھی آنحضرت اپنے ہوش میں آتے تو اپنی دُرافشاں زبان سے کہتے تھے "میری بہنوں خوش آمدید' آؤ ایک دوسرے سے گلے ملیں' میں اب تک تم سے گلے نہیں ملا" شاید کوئی تین دفعہ آپ نے سر اونچا کیا اور اپنی گوہر افشاں زبان سے یہ الفاظ کہے' جب حضرت بادشاہ نے آکر آپ کو گلے لگایا تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بادشاہ کے نور افشاں چہرہ پر کلفت و رقت کے آثار ظاہر ہوئے اور ہمایوں بادشاہ بھی زیادہ گھبراہٹ اور اضطراب کرنے لگے۔

اس اثنا میں حضرت آکام نے کہا کہ آپ میرے بیٹے سے غافل ہیں۔ آپ بادشاہ ہیں آپ کو کیا فکر ہے' آپ کے اور بھی بیٹے ہیں' غم تو مجھے ہے کہ یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے' حضرت بادشاہ نے جواب دیا ماہم اگرچہ میرے اور بھی بیٹے ہیں مگر تیرے ہمایوں کے برابر کوئی مجھے عزیز نہیں' کیونکہ میں سلطنت اور بادشاہی اور یہ روشن دنیا کامگار برخوردار فرزند دلبند ہمایوں کے لیے چاہتا ہوں جو یگانۂ جہاں اور نادرۂ دوراں ہے' نہ کہ اوروں کے لیے۔

ہمایوں مرزا کی بیماری کے دوران میں حضرت بادشاہ نے روزہ حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہٗ شروع کیا' یہ روزہ چہار شنبہ سے کیا جاتا ہے' مگر آپ نے گھبراہٹ اور اضطراب میں سہ شنبہ سے شروع کر دیا' ان دنوں ہوا بہت گرم تھی اور آپ کا دل اور جگر گویا خشک ہو گیا۔

آپ نے دعا مانگی کہ اے خدا اگر جان کا عوض جان ہو سکتی ہے تو میں یعنی بابر اپنی زندگی اور اپنی جان ہمایوں کو دے دیتا ہوں' اسی دن سے حضرت فردوس مکانی بیمار ہو گئے اور ہمایوں بادشاہ غسل کر کے باہر آئے اور دربار کیا۔

آپ تقریباً دو تین مہینے بیمار رہے۔ اس اثنا میں مرزا ہمایوں کا سنبھل چلے گئے' جب آپ

کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو آپ نے ہمایوں بادشاہ کو بلانے کے لیے ایک قاصد بھیجا، وہ جلدی جلدی سفر کرتے ہوئے آئے، جب بادشاہ کے حضور میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ بہت ہی کمزور ہو گئے ہیں، حضرت ہمایوں بادشاہ پر رقت طاری ہو گئی اور اضطراب کا اظہار کرنے لگے، آپ خدمتگاروں سے پوچھتے تھے کہ یکایک ان کی ایسی ردی حالت کیونکر ہو گئی، اور اطبا اور حکما کو بلا کر کہا میں تو آپ کو خاصا تندرست چھوڑ کر گیا تھا، دفعتاً کیا ہو گیا، حکما اور اطبا جواب میں طرح طرح کی باتیں کہتے تھے۔

حضرت بادشاہ بابام ہر گھڑی اور ہر ساعت یہ پوچھتے تھے کہ ہندال کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اس اثنا میں ایک آدمی نے آکر کہا کہ میر خورد بیگ کا بیٹا بردی بیگ حاضر ہے، اسی وقت حضرت بادشاہ بابام نے اس کو بلا کر بہت اضطراب سے دریافت کیا کہ ہندال کہاں ہے؟ کب یہاں آئے گا؟

بردی نے کہا کہ شہزادہ کرامگار دہلی پہنچ گئے ہیں، آج کل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ آپ نے کہا بدبخت مردک میں نے سنا ہے کہ تیری بہن کی شادی کابل میں ہوئی اور تیری اپنی لاہور میں، انہیں شادیوں کی وجہ سے تو نے میرے بیٹے کو یہاں لانے میں اتنی دیر کی کہ آپ تو انتظار حد سے گزر گیا، اور پوچھتے تھے کہ "ہندال مرزا اب کتنا بڑا ہو گیا ہے اور اس کی شکل کیسی ہے؟ میر بردی بیگ مرزا کا لباس پہنے ہوئے تھا، اس نے دکھایا کہ یہ شہزادہ کا لباس ہے جو انہوں نے بندہ کو عنایت کیا ہے، آپ نے اسے قریب بلایا اور کہا دیکھیں ہندال کا قد و قامت اب کتنا ہو گیا ہے، ہر زماں اور ہر ساعت آپ یہی کہتے تھے کہ ہزار افسوس ہندال کو نہیں دیکھا اور جو کوئی سامنے آتا تھا اس سے پوچھتے تھے کہ ہندال کب آئے گا۔

بیماری کے دوران میں آپ نے آکام سے کہا کہ گلرنگ بیگم اور گلچہرہ بیگم کی شادی کر دینی چاہیے، جب حضرت عمر جیو یہاں تشریف لائیں تو ان سے کہنا بادشاہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں گلرنگ بیگم کا ایسن تیمور سلطان سے اور گلچہرہ بیگم کا توختہ بوغا سلطان سے بیاہ کر دیا جائے، آکا جانم مسکراتی ہوئی آئیں، ان سے کہا گیا کہ حضرت بادشاہ یہ کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے، باقی جو آپ کی مرضی ہو اسی طرح کریں، حضرت آکا جانم نے کہا کہ خدا مبارک کرے، آپ کا خیال بہت اچھا ہے، مجھم اور بدیع الجمال بیگم اور آق بیگم یعنی حضرت بادشاہ کی دونوں پھوپھیاں انہیں دالان میں لے جائیں اور ایک تخت بچھا کر اس پر قالین کا فرش کیا جائے اور نیک ساعت دیکھ

کر ماہم بیگم دونوں سلطانوں سے تعظیم کروا کے انھیں دامادی سے سرفراز کریں۔

اس اثنا میں آپ کے پیٹ کی تکلیف اور بڑھ گئی، حضرت ہمایوں بادشاہ نے جب اپنے باپ کی حالت زیادہ خراب دیکھی تو دوبارہ ان کی طبیعت نڈھال ہو گئی، اطبا اور حکما کو بلا کر کہا اچھی طرح غور کر کے کوئی علاج تجویز کرو، انہوں نے متفق ہو کر کہا یہ ہم لوگوں کی بدبختی ہے کہ کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی، حضرت حق سبحانہٗ سے امیدوار ہیں کہ وہ خزانہ غیب سے شفائے عاجل عطا کرے، پھر آنحضرت کی نبض دیکھ کر طبیبوں نے عرض کی کہ اُسی زہر کی علامات موجود ہیں جو سلطان ابراہیم کی والدہ نے دیا تھا، اور یہ واقعہ یوں ہے کہ اس بدبخت عورت نے اپنی ایک لونڈی کو ایک تولہ زہر دیا کہ لے جا کر احمد چاشنی گر کو دے اور اس سے کہہ کہ کسی نہ کسی ترکیب سے یہ زہر بادشاہ کے شوربہ میں ملا دے اور اس چاشنی گر کو اس نے بہت سا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ حضرت بادشاہ اس بدبخت عورت کو مادر کہتے تھے اور اس کے لیے مکان اور جاگیر مقرر فرما کے بہت عنایت و رعایت سے پیش آتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے بجائے اپنے سلطان ابراہیم کے سمجھو۔ مگر یہ افغان ایسی جہالت سے مغلوب ہیں کہ وہ ان مہربانیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے۔ مثل مشہور ہے ؎ باز گردد باصل خود ہمہ چیز۔

قصہ مختصر وہ زہر جو اس باورچی کو لا کر دیا گیا اس باورچی کو خدا نے ایسا اندھا بہرہ بنایا تھا کہ اس نے زہر روٹی کے اوپر چھڑک دیا۔ اگرچہ آپ نے بہت کم روٹی کھائی مگر آپ کی بیماری کی بنا اسی زہر کا اثر تھا۔ روز بروز آپ ضعیف اور نحیف ہوتے گئے اور ہر روز آپ کی بیماری بڑھتی گئی اور آپ کا چہرہ متغیر ہوتا گیا۔ دوسرے دن آپ نے سب امرا کو بلا کر فرمایا۔ مدت سے یہ بات میرے دل میں تھی کہ اپنی بادشاہی ہمایوں مرزا کے سپرد کر دوں اور خود باغ زرافشاں میں گوشہ نشیں ہو جاؤں۔ خدا کی مہربانی سے سب نعمتیں میسر ہوئیں مگر یہ نہ ہوا کہ تندرستی کی حالت میں یہ کرتا۔ اب جب میں بیماری سے لاچار ہو گیا ہوں تو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگ ہمایوں کو میری جگہ تصوّر کریں اور اس کی وفاداری میں کوتاہی نہ کریں اور ہمیشہ اس سے موافقت اور دوستی رکھیں۔ حق سبحانہٗ سے امیدوار ہوں کہ ہمایوں بھی سب آدمیوں سے نیک سلوک کرے گا۔

ہمایوں میں تجھے اور تیرے بھائیوں کو اپنے عزیزوں کو، اپنے آدمیوں کو اور تیرے آدمیوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ سُن کر سب لوگ جو وہاں موجود تھے رونے لگے اور آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔

جب آپ کے گھر کے لوگوں سے اور باہر کے آدمیوں نے یہ باتیں سُنیں تو ان پر رنج و اضطراب طاری ہوگیا اور سب گریہ وزاری کرنے لگے۔ تین دن کے بعد آپ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھارے۔ یہ واقعہ 5 ماہ جمادی الاوّل روز دوشنبہ 937 ھ میں ہوا۔

ہماری پھوپھی اور ہماری ماؤں کو اس بہانہ سے ہشیار کہ اطبا اور حکما دیکھنے کے لیے آ رہے ہیں۔ سب اٹھ کر چلے گئے۔ سب بیگمات اور ہماری مائیں محل کے اندر چلی گئیں۔ آپ کے بچوں اور عزیزوں اور لوگوں پر دن تاریک ہوگیا۔ وہ سب مضطرب ہوکر گریہ وزاری اور فریاد و فغاں کرتے تھے اور ہر ایک نے یہ روز سیاہ کسی تاریک کونے میں بسر کیا۔

آپ کا واقعہ پوشیدہ رکھا گیا۔ آخر آرائش خاں نے جو ہندی امرا میں سے تھا عرض کی کہ اس بات کو چھپائے رکھنا اچھا نہیں۔ ہندوستان میں یہ عام بات ہے کہ جب کسی بادشاہ کا انتقال ہوتا ہے تو بازاری لوگ لوٹ مار شروع کردیتے ہیں۔ اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں بے خبری میں مغل مکانوں اور حویلیوں میں گھس کر لوٹ مچائیں۔ مناسب یہ ہے کہ ایک آدمی کو سرخ کپڑے پہنا کر ہاتھی پر سوار کریں اور وہ ہاتھی پر بیٹھ کر منادی کرے کہ حضرت بابر بادشاہ نے درویشی اختیار کرلی ہے اور اپنی بادشاہی ہمایوں بادشاہ کو دے دی ہے۔ حضرت ہمایوں بادشاہ نے کہا اسی طرح کرو۔ یہ منادی سُن کر لوگوں کو بہت تسلی ہوئی اور حضرت ہمایوں بادشاہ کی سلامتی کی دعا کرنے لگے۔ اس مہینہ کی نو تاریخ کو آپ تخت شاہی پر بیٹھے اور سب لوگوں نے آپ کو مبارکباد دی۔

اس کے بعد آپ اپنی ماؤں اور بہنوں اور اپنے اور عزیزوں کو دیکھنے آئے اور ان کی پرسش اور دلداری کی اور غم خواری فرمائی اور حکم دیا کہ ہر شخص جس منصب پر در خدمت، جاگیر یا جگہ پر مقرر تھا وہ اپنی جگہ پر بحال رہے گا اور اپنی ملازمت پر بدستور سابق کی طرح قائم رہے گا۔

اسی دن مرزا ہندال کابل سے آکر حضرت ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان پر آپ نے بہت سی عنایتیں کیں اور بہت خوش ہوئے اور جو خزانہ ورثہ میں آپ کو ملا تھا اُس میں سے بہت سا مرزا ہندال کو عنایت فرمایا۔

حضرت بادشاہ بابام کی وفات کے بعد بہت سے کارِ خیر کیے گئے اور ایام متبرکہ میں فاتحہ خوانی کی پہلی مجلس آپ کے مزار پر ہوئی۔ محمد علی عسس کو حضرت کے مزار کا متولی کیا گیا اور ساٹھ خوش الحان حافظ و خوش الحان قاری مقرر کیے گئے تاکہ وہ پانچ وقت کی نماز باجماعت پڑھائیں اور قرآن شریف ختم کریں۔ اور حضرت فردوس مکانی کی ارواح کو ثواب پہنچائیں۔ سیکری جو آج کل فتح پور کے نام سے مشہور ہے اس

کا سب علاقہ اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ بیانہ کی آمدنی سے حضرت کے مزار کے لیے وقف کیے تاکہ عالم آدمی اور حافظ وغیرہ جو مزار سے متعلق تھے ان کے خرچ میں صرف ہو۔ آکام نے مزار پر دو وقت کا کھانا مقرر کیا۔ یعنی صبح ایک گائے دو بھیڑیں اور پانچ بکرے اور عصر کے وقت پانچ بھیڑیں۔ ڈھائی سال تک، جب تک کہ آکام زندہ رہیں یہ دو وقت کا کھانا آپ کی سرکار سے مزار پر تقسیم ہوتا رہا۔

جب تک آکام زندہ رہیں میں ان کے دولت خانہ میں اکثر حضرت بادشاہ کو دیکھتی تھی۔ جب آکام کی حالت خراب ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا یہ بات بہت مشکل معلوم ہوتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی بادشاہ بابر کی بیٹیاں اپنے بھائی کو گلبرگ بی بی کے مکان میں دیکھیں گویا آکام کی بات حضرت بادشاہ کے دل و دماغ میں تھی کہ جب تک آپ ہندوستان میں رہے ہمیشہ بدستور سابق ہمارے مکان میں آکر ہم سے ملتے رہے۔ اور بے انتہا مہربانی اور عنایت اور شفقت کرتے رہے۔ حضرت بادشاہ اس خاکسار کے مکان میں تشریف لاتے تھے اور معصومہ سلطان بیگم اور گلرنگ بیگم اور گلچہرہ بیگم وغیرہ سب بیگمات جو شادی شدہ تھیں وہ اس خاکسار کے مکان میں ہی آکر حضرت بادشاہ کو آداب کرتی تھیں۔ غرض بادشاہ بابام اور آکام کی وفات کے بعد حضرت ہمایوں بادشاہ اس شکستہ دل کی اس قدر عنایت سے خاطر جوئی کرتے اور اس بے چاری سے اتنی شفقت برتتے کہ میں اپنی یتیمی اور لاوارثی بھول گئی۔

حضرت فردوس مکانی کی وفات کے بعد دس سال تک حضرت جنت آشیانی ہندوستان میں رہے اور اس اثنا میں سب لوگ امن و امان سے رہے اور آپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے رہے۔ سوائے اس بات کے کہ حضرت فردوس مکانی کی وفات کے چھ مہینے کے بعد گوڑ کی سمت سے بِبن و بایزید حملہ آور ہوئے۔ یہ خبر پاتے ہی حضرت بادشاہ آگرہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بِبن و بایزید کو شکست دے کر چنادہ میں آئے۔ اور چنادہ پر قبضہ کرکے آگرہ واپس آگئے۔

آکام یعنی ماہم بیگم کی یہ بہت تمنا اور آرزو تھی کہ ہمایوں کے بچہ کو دیکھیں۔ جہاں کہیں کوئی صاحب حسن و جمال لڑکی دیکھتی تھیں اُسے حضرت بادشاہ کی خدمت میں لے آتی تھیں۔ خدنگ یساول کی بیٹی میوہ جان میرے پاس نوکر تھی۔ حضرت فردوس مکانی کی وفات کے بعد ایک دن آکام نے فرمایا ہمایوں میوہ جان بری نہیں۔ اپنی خدمت میں اس کو کیوں نہیں

لے لیتے۔ اکثر اُن سے کہنے سے ہمایوں بادشاہ نے اسی رات میوہ جان سے نکاح کر لیا اور اپنے ہاں لے گئے۔

تین دن کے بعد بیگہ بیگم کابل سے آئیں۔ آپ کے ہاں امید ہوئی جب وقت ہوا تو ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عقیقہ رکھا گیا۔ میوہ جان نے آکام ماہم بیگم سے کہا "میرے ہاں بھی امید ہے" غرض آکام نے دو قسم کا سامان تیار کیا اور کہا کہ تم میں سے جس کے ہاں لڑکا ہوگا زیادہ اچھا سامان میں اسی کو دوں گی۔ اور پستہ اور بادام اور چار مغز کا سراق سونے چاندی کے ورق لگا کر تیار کیا تھا اور کئی قسم کا سامان بھی تیار کیا تھا۔ اور خوش تھیں کہ ان دونوں میں سے کسی کے ہاں تو لڑکا ہوگا۔ اس انتظار میں بیگہ بیگم کے ہاں عقیقہ بیگم ہوئیں۔ اب آپ کی نظر میوہ جان کی طرف لگی ہوئی تھی۔ مگر دس مہینے گزر گئے اور گیارہواں مہینہ بھی ختم ہونے کو آیا۔ میوہ جان نے کہا میری خالہ الغ بیگ کے حرم میں تھیں ان کے بارہ مہینے میں لڑکا ہوا تھا۔ شاید میں بھی انہیں کی طرح ہوں۔ خیمے سیے گئے اور توشکیں بھری گئیں۔ آخر معلوم ہوا کہ یونہی دھوکا تھا۔

حضرت بادشاہ چناده گئے تھے۔ وہاں سے سلامتی اور کامیابی سے واپس آئے۔ آکام ماہم بیگم نے بہت بڑا جشن کیا۔ اور بازاروں کو سجایا گیا۔ اس سے پہلے آرائش صرف بازار کے لوگ کرتے تھے۔ آپ نے معزز آدمیوں اور سپاہیوں کو بھی حکم دیا کہ اپنے گھروں کو سجائیں اور اپنے ہاں روشنی کریں۔ اور اس کے بعد سے آئین بندی کا ہندوستان میں رواج ہو گیا۔

ایک مرصع تخت تھا جس کی چار سیڑھیاں تھیں اس سے اوپر زردوزی کے پردوں کا سایہ تھا اور زردوزی توشک کا اس پر فرش کیا گیا اور زردوزی تکیہ رکھا گیا۔ خیمے اور شامیانے اندر کی طرف فرنگی زربفت کے تھے اور باہر کا رخ پرتگالی سقرلات کا تھا۔ ان کے بانسوں پر سنہری رنگ کیا گیا جس کی وجہ سے وہ بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ خیموں کی جھالر گجراتی زردکشن کی تھی۔ اور قنات اور اس کا زیبائی حاشیہ اور آفتابہ اور چلمچی اور بہت سے شمع دان، پیالے اور گلاب پاشی یہ سب چیزیں مرصع سونے کی تھیں۔ یہ سب ساز و سامان مکمل کر کے ماہم بیگم نے خوب پُر تکلف دعوت کی۔ اور بارہ قطار اونٹ اور بارہ قطار خچر اور ستر تیو چاق گھوڑے اور سو بار برداری کے گھوڑے تھے۔ ماہم بیگم نے ستر ہزار آدمیوں کو خلعت خاص دی اور کئی

دن تک جشن رہا۔

اس اثنا میں خبر آئی کہ محمد زماں مرزا نے حاجی محمد خاں کوکی کے والد کو قتل کر دیا ہے اور باغی ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلوایا اور بیانہ میں قید کر دیا اور اسے اپنے چچا یادگار کے سپرد کیا۔ مرزا یادگار کے آدمی محمد زماں مرزا کے ساتھ مل گئے اور اسے بھاگ جانے دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سلطان محمد مرزا اور نیخوب سلطان مرزا کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی جائے۔ نیخوب سلطان کی بصارت جاتی رہی۔ مگر سلطان محمد مرزا کی آنکھوں میں جس شخص نے سلائی پھیری اس نے ان کی آنکھوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ محمد زماں مرزا اور محمد سلطان مرزا اپنے بیٹوں الغ مرزا اور شاہ مرزا سمیت چند روز بعد بھاگ گئے۔ اور چند سال کے دوران میں جب تک ہم ہندوستان میں رہے یہ لوگ برابر فساد مچاتے رہے۔

بتن اور بایزید کی مہم سے واپس آکر قریباً ایک سال تک بادشاہ آگرہ میں رہے۔ آپ نے آکام سے کہا اِن دنوں میری طبیعت اُداس رہتی ہے، اگر اجازت ہو تو آپ کی ہمراہی میں گوالیار کی سیر کر وں۔ چنانچہ حضرت آکام اور میری اماں اور میری بہنیں معصومہ سلطان بیگم جنہیں ہم ماہ چچہ کہتے تھے اور گلرنگ بیگم جنہیں ہم گل چچہ کہتے تھے کچھ عرصہ گوالیار میں اپنی پھوپھیوں کے ساتھ رہے۔

گل چہرہ بیگم ان دنوں اودھ میں تھیں ان کے خاوند توختہ بوغا سلطان کا انتقال ہو گیا اور اس لیے بیگم کے ملازمین نے اودھ سے حضرت بادشاہ کے پاس عرضداشت بھیجی کہ توختہ بوغا سلطان فوت ہو گئے ہیں۔ اب بیگم صاحبہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت بادشاہ نے مرزا چہ سے فرمایا کہ جاکر گل چہرہ بیگم کو آگرہ میں لے آؤ۔ ہم بھی آگرہ جانے والے ہیں۔

حضرت آکام نے کہا اگر اذن ہو تو بیگہ بیگم اور عقیقہ بیگم کو بلا لوں وہ بھی گوالیار دیکھ لیں۔ چنانچہ نوکار اور خواجہ کبیر کو بھیجا گیا۔ بیگہ بیگم اور عقیقہ بیگم کو آگرہ سے لے آئیں۔ غرض دو مہینے ہم سب نے مل کر گوالیار میں بسر کیے۔ اس کے بعد آگرہ کا رُخ کیا اور ماہ شعبان میں وہاں پہنچے۔

ماہ شوال میں آکام درد شکم میں مبتلا ہوئیں اور اسی مہینے کی ۱۲ تاریخ کو ۹۴۰ھ میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف چل بسیں اور حضرت بابام کے بچوں کا داغ یتیمی تازہ ہو گیا۔ خصوصاً میرے لیے کیونکہ انہوں نے ہی میری پرورش کی تھی۔ میرا عجب حال ہو گیا۔ اضطراب مصیبت اور رنج والم نے آلیا۔ رات دن میں روتی رہتی تھی۔ حضرت بادشاہ نے کئی دفعہ آکر

میری تسلی اور تشفی اور غم خواری فرمائی۔ جب حضرت آکام مجھے اپنے ہاں لے گئی تھیں اس وقت میری عمر دو سال کی تھی۔ آپ نے میری پرورش کی اور ابھی میں دس سال کی تھی کہ آپ نے اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے انتقال کے ایک سال بعد تک میں آپ کے مکان میں ہی رہی۔

جب حضرت بادشاہ دھول پور کی سیر کو گئے تو میں بھی اپنی والدہ کے ہمراہ آپ کے ساتھ گئی۔ اس وقت میں گیارہویں سال میں تھی۔ یہ بات اس سے پہلے کی ہے جب آپ گوالیار گئے اور وہاں عمارتیں بنوانی شروع کیں۔

حضرت آکام کے چہلم کے بعد بادشاہ دہلی تشریف لے گئے۔ اور قلعہ دین پناہ کی بنیاد رکھی اور پھر واپس آگرہ میں آئے۔ آکا جانم نے حضرت بادشاہ سے کہا کہ مرزا ہندال کی شادی کا جشن کب کرو گے؟ حضرت نے کہا بسم اللہ۔ مرزا ہندال کا نکاح تو آکام کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا مگر جشن شادی کا سامان ہونے میں دیر ہوئی تھی۔ آکا جانم نے کہا آج کل تو توی طلسم کا سامان بھی تیار ہے۔ اس لیے پہلے توی طلسم کریں گے۔ اس کے بعد مرزا ہندال کا جشن شادی کیا جائے گا۔ حضرت بادشاہ نے پوچھا کہ میری پھوپھی صاحبہ کیا فرماتی ہیں؟

انہوں نے کہا ہاں خدا مبارک اور اچھا کرے۔

توی خانہ (یعنی وہ مکان جہاں جشن کیا گیا) اور جو طلسم کہلاتا تھا اس کا بیان حسب ذیل ہے

اوّل ایک بڑا سا ہشت پہلو کمرہ تھا اور اس کے بیچ میں ایک ہشت پہلو حوض اور پھر حوض کے بیچ میں ایک ہشت پہلو تخت جس پر ایرانی قالینوں کا فرش تھا۔ نوجوان خوبصورت لڑکیوں، صاحب جمال عورتوں، ساز نواز اور خوش آواز گویوں کو حوض کے بیچ میں تخت پر بٹھایا گیا۔ اور وہ مرصع تخت جو آکام نے اس جشن کے لیے عنایت کیا تھا توی خانہ کے سامنے صحن میں رکھا گیا تھا۔ ایک زردوزی توشک اس کے سامنے بچھائی گئی۔

مرصع تخت کے سامنے حضرت بادشاہ اور آکا جانم اس توشک پر بیٹھ گئے۔ اور آکا جانم کی دائیں طرف آپ کی پھوپھیاں یعنی سلطان ابوسعید مرزا کی بیٹیاں تھیں یعنی فخر جہاں بیگم، بدیع الجمال بیگم، آق بیگم، سلطان بخت بیگم، گوہر شاد بیگم، خدیجہ سلطان بیگم۔

ایک اور توشک پر ہماری پھوپھیاں یعنی حضرت فردوس مکانی کی بہنیں تھیں یعنی شہربانو بیگم اور یادگار سلطان بیگم ان کے علاوہ اور بیگمات جو دائیں طرف تھیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

عائشہ سلطان بیگم دختر سلطان حسین مرزا اور ...بیگم، دختر زینت سلطان بیگم جو حضرت بادشاہ کی بھتیجی تھیں۔ عائشہ سلطان بیگم، سلطانی بیگم دختر سلطان احمد مرزا جو بادشاہ کی پھوپھی اور خان ... کی والدہ تھیں، بیگہ سلطان دختر سلطان خلیل مرزا بادشاہ کے چچا کا نام بیگم، بیگی بیگم دختر الغ مرزا دختر سلطان خلیل مرزا بادشاہ کے چچا، ماہم بیگم، بیگی بیگم دختر الغ مرزا کابلی بادشاہ کے چچا، خانزادہ ... دختر سلطان مسعود مرزا جو اپنی ماں کی طرف سے بادشاہ کی پھوپھی پاینده محمد سلطان بیگم کی نواسی تھیں۔ شاہ خانم جو بدیع الجمال کی بیٹی تھیں۔ خانم بیگم جو آق بیگم کی بیٹی تھیں۔ زینت سلطان خانم دختر سلطان محمود خاں جو بادشاہ کے بڑے ناناتھے۔ محب سلطان خانم دختر سلطان احمد خاں جو الاچہ ... کے نام سے مشہور تھے اور بادشاہ بابر کے چھوٹے ماموں تھے۔ خانش بیگم جو مرزا حیدر کی ... اور بادشاہ کی خالہ کی بیٹی تھیں۔ بیگہ کلاں بیگم، تیجک بیگم، شاہ بیگم جو دلشاد بیگم کی والدہ اور بادشاہ کی پھوپھی فخر جہاں بیگم کی بیٹی تھیں، کچنہ بیگم، آپاق بیگم دختر سلطان بخت بیگم مہربان بادشاہ کی پھوپھی۔ شاد بیگم سلطان حسین مرزا کی نواسی اور بادشاہ کی پھوپھی کی بیٹی۔ مہر انگیز بیگم مظفر مرزا یعنی سلطان حسین مرزا کے نواسے کی بیٹی (شاد بیگم اور مہر انگیز بیگم کی آپس میں بہت دوستی تھی وہ مردانہ لباس پہن لیا کرتی تھیں اور انھیں کئی قسم کے ہنر آتے تھے مثلاً زہگیر تراشی چوگان بازی، تیر اندازی وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ بہت قسم کے آلات موسیقی کے بجانے میں مہارت رکھتی تھیں)، گل بیگم، فوق بیگم، جہاں سلطان بیگم، افروز بانو بیگم، آغہ بیگم، فیروزہ بیگم، برلاس بیگم۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی بیگمات موجود تھیں۔ ان کی کل تعداد چھیانوے تھی اور ان سب کو بادشاہی وظیفہ ملتا تھا۔ بعض اور عورتیں بھی شامل تھیں۔

طوی طلسم کے بعد مرزا ہندال کی شادی کا جشن منایا گیا۔ اس اثنا میں ان بیگمات میں سے بعض کابل چلی گئی تھیں اور بعض جو اس مجلس میں موجود تھیں ان میں سے اکثر دائیں طرف بیٹھی تھیں۔ ہماری اور بیگمات یہ تھیں۔ آغہ سلطان آغاچہ بیگم والدہ یادگار سلطان بیگم۔ آتون ماما۔ سلیمہ سکینہ اور بی بی حبیبہ اور حنفیہ بیگم۔

اور جو بیگمات بادشاہ کی بائیں طرف زردوزی دیوان پر جلوہ افروز تھیں ان کے نام یہ ہیں:
معصومہ سلطان بیگم۔ گل رنگ بیگم۔ گل چہرہ بیگم۔ اور یہ ناچیز شکستہ دل گلبدن۔ عقیقہ سلطان بیگم۔ آکہ یعنی ہماری والدہ دلدار بیگم۔ گل برگ بیگم۔ بیگہ بیگم۔ ننجہ ماہم وزیر صاحب کی بیوی۔ الوش بیگم۔ ناہید بیگم۔ خورشید کوکہ اور بادشاہ بابام کے کوکہ کے بچے۔ افغانی آغاچہ۔ گلنار آغہ۔ نازگل آغہ یہ

مخدومہ آغہ زوجہ ہندو بیگ۔ فاطمہ سلطان انگہ والدہ روشن کوکہ۔ فخر نسا آنکہ والدہ ندیم کوکہ۔ مرزا قلی کوکہ کی بیوی۔ محمدی کوکہ کی بیوی۔ موید بیگ کی بیوی اور بادشاہ کے کوکے خورشید کوکہ۔ شرف نسا کوکہ دفنج کوکہ۔ رابعہ سلطان کوکہ۔ ماہ لقا کوکہ۔ اور ہماری اتائیں اور ان کے بچے۔ بیگمات کی مصاحب عورتیں اور امرا کی بیویاں۔

اور جو لوگ دائیں طرف تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

سلیمہ بیگم۔ بی بی نیکہ۔ خانم آغہ دختر خواجہ عبداللہ۔ مروارید نگار آغہ والدہ مغل بیگ نار سلطان آغہ۔ آغہ کوکہ زوجہ منعم خاں دختر میر شاہ حسین عسس بیگہ۔ کیسک ماہم۔ کابلی ماہم بیگی آغہ۔ خانم آغہ۔ سعادت سلطان آغہ۔ بی بی دولت بخت۔ نصیب آغہ عسس کابلی۔ اور بہت سی بیگم اور آغہ یعنی امرا کی بیویاں اس طرف بیٹھیں اور سب اس شادی کے جشن میں حاضر تھیں۔

طلسمی مکان کی وضع یوں تھی کہ ایک بڑا ہشت پہلو کمرہ جس میں دعوت دی گئی۔ اور اس کے برابر میں چھوٹا کمرہ۔ یہ بھی ہشت پہلو تھا۔ ان دونوں ہشت پہلو کمروں میں طرح طرح کی سجاوٹ اور آرائش کی گئی تھی۔ بڑے کمرہ میں جو توی خانہ کے نام سے موسوم تھا ایک مرصع تخت بچھایا گیا اور اس کے اوپر اور نیچے زردوزی پردے ڈالے گئے تھے اور آدھ گز لمبی موتیوں کی لڑی لٹکائی گئیں۔ ہر ایک لڑی کے سرے پر دو شیشے کے کرہ تھے۔ اس طرح تقریباً تیس چالیس موتیوں کی لڑیاں بنا کر لٹکائی گئیں۔ چھوٹے کمرے میں مرصع چھپر کھٹ رکھا گیا تھا اور طاقوں میں مرصع پاندان اور صراحی اور کٹورا اور خالص سونے چاندی کے برتن رکھے گئے۔ اس طلسمی مکان کی مغرب کی جانب دیوان خانہ تھا۔ مشرق کی سمت باغ۔ جنوب کی طرف "مثمن کلاں" اور شمال میں "مثمن خورد" ان تینوں عمارتوں میں بالاخانے تھے۔ ان میں سے ایک کو خانہ دولت کہتے تھے۔ اس میں سپہ گری کی چیزیں تھیں جو نو قسم کی تھیں مثلاً مرصع تلوار۔ مرصع زرہ۔ مرصع خنجر۔ جمدھر اور کمپوہ اور ترکش۔ اور ان چیزوں پہ زردوزی توپوش پڑا ہوا تھا۔ دوسری عمارت میں جو بالاخانہ تھا وہ خانۂ سعادت کہلاتا تھا اس میں جائے نماز۔ کتابیں۔ مرصع قلمدان۔ خوبصورت جزدان۔ اور نفیس مرصع خیمیں خوبصورت تصویریں اور خوش نما کتبے تھے۔

تیسرا بالاخانہ جو خانہ مراد کہلاتا تھا اس میں مرصع چھپر کھٹ اور صندل کی لکڑی کا صندوق رکھا گیا اور خیال کی توشکیں بچھائی گئیں۔ اور نیچے کی منزل میں بھی خاصگی نہالچوں کا فرش کیا گیا اور ان کے برابر زربفت خیالی کے دستر خوان بچھائے گئے۔ قسم قسم کے پھل اور طرح طرح کے

تھیں اور عیش و طرب کے سب سامان موجود تھے۔

اس مکان میں جشن کے دن حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ سب شہزادے اور بیگمات اور امرا ساچق کے تحفے لائیں۔ آپ کے ارشاد کے موجب سب لوگ تحفے لائے۔ آپ نے فرمایا اس ساچق کے تین حصہ کرو۔ چنانچہ تین خوان اشرفی کے اور چھ خوان شاہرخی کے۔ ان میں سے ایک خوان اشرفی اور دو خوان شاہرخی آپ نے ہندو بیگ کے ہاتھ میں دیے اور کہا کہ یہ حکومت کا حصہ ہے۔ اسے شہزادوں اور امرا وزرا اور سپاہیوں میں بانٹ دو۔ اور ایک خوان اشرفی اور دو خوان شاہرخی ملا محمد فرغلی کے سپرد کیے اور کہا کہ یہ حصہ سعادت ہے۔ اسے اکابر اور شرفا علما' صلحا' زہاد و مشائخ' درویش' عباد' فقرا و مساکین میں تقسیم کردو۔ اور ایک خوان اشرفی اور دو خوان شاہرخی کے متعلق فرمایا کہ یہ حصہ مراد ہے۔ یہ ہمارا ہے۔ اسے ہمارے پاس لاؤ۔ چنانچہ آپ کے پاس رکھے۔ آپ نے کہا اس کی گنتی کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اپنا دست مبارک بڑھا کر کچھ اشرفیاں اپنی مٹھی میں لے لیں اور فرمایا کہ ایک خوانچہ اشرفی اور ایک خوانچہ شاہرخی بیگمات کے پاس لے جاؤ۔ وہ سب ان میں سے ایک ایک مٹھی لیں۔ اور باقی دو خوان شاہرخی اور سب اشرفیاں جو دو ہزار کے قریب تھیں اور شاہرخی سکے کوئی دس ہزار ہوں گے ان سب کو بکھیر کر نثار کر دیا پہلے بڑی بیگمات کے سامنے اور پھر اور سب لوگوں کے سامنے جو اس مجلس میں موجود تھے ہر ایک کے حصہ میں سو ڈیڑھ سو سے کم سکے نہ آئے ہوں گے اور جو لوگ حوض میں تھے ان کے حصہ میں بالخصوص بہت سے آئے۔

پھر حضرت بادشاہ نے فرمایا آکہ جانم اگر اجازت ہو تو حوض میں پانی چھوڑ دیا جائے۔ آکہ جانم نے کہا بہت خوب اور آپ خود اٹھ کر اوپر کی سیڑھی پہ جا بیٹھیں لوگ بے خبر تھے کہ اتنے میں یکایک زور سے پانی آ گیا۔ لڑکے لڑکیاں جو حوض میں بیٹھے تھے بہت سراسیمہ ہو گئے۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں تم میں سے ہر ایک ایک گولی شربت کی اور تھوڑی سی معجون کھا لے اور باہر نکل آئے۔ معجون کھا کر سب جلدی جلدی باہر آئے۔ ابھی پانی ان کے ٹخنوں تک پہنچا تھا۔ غرض سب نے معجون کھائی اور باہر نکل آئے۔

اس کے بعد دسترخوان چنا گیا اور سرو پا دیے گئے۔ اور معجون کھانے والوں اور لوگوں میں انعام اور سروپا تقسیم کیے گئے۔ حوض کے کنارے ایک تالار تھا جس میں ابرق کے دریچے تھے۔ لڑکیاں وغیرہ اس تالار میں جا بیٹھیں۔ بازی گروں نے اپنے کرتب دکھائے۔ ایک بازار عورتوں کے

لیے مخصوص تھا۔ تالاب میں کشتیاں بنی تھیں جنھیں خوب سجایا گیا تھا۔ ایک کشتی میں چھ آدمیوں کی نشستیں اور چھ طاق بنائے گئے تھے۔ اور ایک اور کشتی میں ایک بالاخانہ بنایا تھا۔ نیچے کے حصے میں باغ لگایا تھا۔ گل کلغی۔ تاج خروس۔ نافرمان اور لالہ کے پھول اگائے تھے۔ ایک جگہ آٹھ کشتیوں کو ملا کر ہشت پہلو کشتی بنائی تھی۔ غرض خدائے تعالیٰ نے حضرت بادشاہ کے دل کو ایسی ایجاد اور اختراع عطا کی تھی کہ جس کسی نے ان چیزوں کو دیکھا وہ حیران اور دنگ رہ گیا۔

مرزا ہندال کی شادی کے متعلق اور باتیں یہ ہیں آپ کی دولہن سلطانم بیگم مہدی خواجہ کی بہن تھیں۔

بادشاہ بابام کے بہنوئی کے ہاں سوائے جعفر خواجہ کے اور کوئی بچہ نہ ہوا تھا۔ آکہ جانم نے سلطانم کو اپنی بیٹی بنایا تھا۔ سلطانم بیگم کی [illegible] دو سال کی تھی جب آکا جانم یعنی خانزادہ بیگم نے انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا تھا اور آپ سلطانم بیگم سے بہت محبت کرتی تھیں اور اپنے بھائی کا بچہ سمجھتی تھیں۔ آپ نے بہت خوبی اور خوش اسلوبی سے شادی کی دعوت کی۔ کوشک اور پردے اور پانچ ریوت اور پانچ سرہانے کے تکیے۔ ایک بڑا تکیہ اور دو گول تکیے۔ کمربند نقاب۔ خرگاہ۔ مع تین توشک زردوزی مرزا ہندال کے لباس کے لیے چار قب اور زردوزی کا تاج۔ ٹوپی۔ رومال اور رومال زردوزی کی دو [illegible] زردوزی اور سلطانم بیگم کے لیے نو عدد نیمہ جن کے جواہرات کے بٹن تھے۔ ایک میں لعل کے۔ ایک میں یاقوت۔ ایک میں زمرد۔ ایک میں فیروزہ۔ ایک میں زبرجد۔ ایک میں عین الہرۃ۔ ان کے علاوہ نو گلے میں پہننے کے ہار۔ اور ایک چارقب اور جڑاؤ تکمہ دار صدریاں۔ اور ایک جوڑی لعل کی بالیاں اور ایک جوڑی موتیوں کی بالیاں اور تین پنکھے اور ایک شاہی چتر۔ ایک درخت اور دو حلب اور بہت سی چیزیں اور ساز و سامان جو آکہ جانم نے جمع کر رکھا تھا وہ سب آپ نے جہیز میں دے دیا۔ اور ایسی شادی رچائی کہ بادشاہ بابام کے کسی اور بیٹے کو میسر نہ ہوئی۔ آپ نے ہی سب انتظام کیا اور سب باتوں کو سرانجام دیا۔ نو تپوچاق گھوڑے مع مرصع زین اور زردوزی لگام۔ سونے چاندی کے برتن۔ ترکی اور چرکسی اور روسی اور حبشی غلام سب نو نو کی تعداد میں دیے۔

جو چیزیں بادشاہ بابام کے بہنوئی مہدی خواجہ نے مرزا ہندال کو دیں۔ نو تپوچاق گھوڑے مع زین۔ لگام مرصع و زردوزی۔ سونے اور چاندی کے برتن۔ اٹھارہ بارگیر گھوڑے جن کی زین اور لگام مخمل اور زربفت اور سقرلات پرتگالی کی تھی۔ ترکی، حبشی اور ہندی غلام سب تین تین تقوز۔ اور تین زنجیر ہاتھی۔

جشنِ شادی سے فارغ ہوئے تھے کہ خبر آئی کہ سلطان بہادر کے وزیر خراسان خاں نامی نے بیانہ پر حملہ کیا ہے۔ حضرت بادشاہ نے مرزا عسکری کو بعض اور امرا کی ہمراہی میں جن میں فرزعلی بیگ اور میر تردی بیگ وغیرہ شامل تھے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بیانہ پہنچ کر جنگ کی اور خراسان خاں کو شکست ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ بسعادت وسلامت گجرات کی طرف روانہ ہوئے یعنی ماہ رجب کی پندرہ تاریخ کو 941 ھ میں آپ نے گجرات کی طرف جانے کا عزم بالجزم کیا اور اپنا پیش خانہ باغ زرافشاں میں نصب کیا اور اس باغ میں لشکر کے جمع ہونے تک ایک مہینے رہے۔

یک شنبہ اور سہ شنبہ کے دن آپ دریا کی دوسری طرف دربار کرنے کے لیے جاتے تھے۔ جب تک اس باغ میں آپ کا قیام رہا ہم یعنی میری والدہ دلدار بیگم اور میری بہنیں اور بیگمات زیادہ تر آپ کے ساتھ رہیں۔ خیموں کی جو قطار تھی اس میں معصومہ سلطان بیگم کا خیمہ سب سے پہلے تھا۔ اس کے بعد گلبرگ بیگم اور بیگہ بیگم وغیرہ کے خیمے تھے۔

پورے طور پر سب ساز و سامان کیا گیا۔ جب پہلی دفعہ خیمہ اور خرگاہ اور بارگاہ باغ میں نصب کیے گئے تو حضرت بادشاہ اس جا نئے قیام اور ساز و سامان کے ملاحظہ کے لیے تشریف لائے اور بیگمات اور اپنی بہنوں سے ملنے گئے۔ چونکہ آپ معصومہ سلطان بیگم کے خیمہ کے قریب اترے تھے اس لیے پہلے ان کے خیمے میں تشریف لے گئے۔ وہاں اور سب بیگمات اور میری بہنیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ یہ قاعدہ تھا کہ جس بیگم کے ہاں آپ تشریف لے جاتے تھے باقی سب بیگمات اور آپ کی بہنیں بھی وہیں آپ کے ہمراہ جاتی تھیں۔ دوسرے دن اس ناچیز کی قیام گاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ تین پہر رات تک مجلس رہی۔ اس میں بہت سی بیگمات میری بہنیں اور بہت سی مستورات شریک تھیں اور گانے بجانے والے موجود تھے۔ سہ پہر رات کے بعد حضرت بادشاہ نے آرام فرمایا اور آپ کی بہنیں اور بیگمات بھی سب وہیں آپ کے قریب سو گئیں۔

صبح کے وقت بیگہ بیگم نے آپ کو جگا کر کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وضو کا پانی یہیں منگواؤ۔ جب بیگم نے دیکھا کہ بادشاہ بیدار ہو گئے ہیں تو شکایت شروع کی کہ اس باغ میں آپ کو تشریف لائے کئی دن ہو گئے مگر ایک دن بھی ہمارے ہاں نہ آئے۔ ہمارے گھر کے راستہ میں کسی نے کانٹے تو بوئے نہیں۔ ہم بھی اس بات کے امیدوار ہیں

کہ آپ ہمارے ہاں آئیں اور مجمع اور مجلس برپا ہو۔ آخر کیا ہم سے بے اعتنائی اور سرد مہری اس بے چاری کے حق میں روا رکھیں گے۔ ہمارا بھی تو دل ہے اور بیگہ تو آپ تین تین دفعہ گئے اور رات دن وہاں خوب عیش و عشرت رہے۔

حضرت بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ جب ایک پہر دن نکل آیا تو اپنی بہنوں اور بیگمات الصد لدار بیگم، افغانی آغہ چہ، گلنار آغہ چہ، میوہ جان، آزاد جان اور اناؤں کو بلایا۔ جب ہم آپ کے سامنے گئے تو آپ خاموش رہے اور ہم سب سمجھ گئے کہ آپ غصہ میں ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے بیگہ بیگم کو مخاطب کر کے کہا: بی بی میں نے تم سے کیا بد سلوکی کی جس کی آج تم شکایت کر رہی تھیں۔ اور یہ کوئی شکایت کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ تم سب کو معلوم ہے کہ میں سب بزرگ بیگمات کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں کیونکہ میرا یہ فرض ہے کہ ان کی خاطر جوئی کروں مگر میں ان کے سامنے شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں ان سے بھی اتنی دیر کے بعد ملتا ہوں۔ میرے دل میں پہلے ہی سے یہ خیال تھا کہ تم سب سے ایک اقرار نامہ مانگوں۔ اچھا ہوا کہ تم نے اب خود ہی مجھے بولنے پر مجبور کیا۔ تم جانو میں افیونی آدمی ہوں۔ اگر تمہارے ہاں آنے جانے میں دیر ہو تو اس میں تمہاری خفگی کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ تم سب مجھے اپنی ایک ایک تحریر اس مضمون کی دے دو کہ آپ کا جی چاہے یا نہ آئیں ہم سب آپ سے خوش اور مطمئن رہیں گے۔ گلبرگ بیگم نے فوراً یہ لکھ کر آپ کو دے دیا۔ اور آپ نے انہیں گلے لگایا۔ بیگہ بیگم نے تھوڑا سا اپنی بات پر اصرار کیا اور کہا عذر گناہ بدتر معلوم ہوتا ہے۔ ہماری غرض شکایت کرنے سے یہ تھی کہ آپ ہمیں اپنی مہربانی سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے اتنا بات کو اس قدر بڑھا لیا مگر ہمارے کیا بس کی بات ہے۔ آپ بادشاہ ہیں۔ آخر انہوں نے بھی اقرار نامہ لکھ دے دیا اور آپ نے ان سے بھی صلح کر لی۔

شعبان کی 14 تاریخ کو آپ باغ زر افشاں سے کوچ کر کے گجرات کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ سلطان بہادر کی سرکوبی کریں۔ منصور کے مقام پر مقابلہ ہوا اور سلطان بہادر جنگ میں شکست کھا کر چمپانیر کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت بادشاہ نے بہت مستعدی سے اس کا تعاقب کیا۔ اس نے چمپانیر کو بھی چھوڑا اور احمد آباد کی طرف چلا گیا۔ آپ نے احمد آباد پر بھی تصرف جما لیا اور گجرات کا تمام علاقہ اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ احمد آباد مرزا عسکری کو عنایت کیا۔ بہروچ قاسم حسین سلطان کو دیا اور پتن یادگار ناصر مرزا کو۔

حضرت بادشاہ خود چمپانیر سے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ سیر کے لیے کنبایت چلے گئے۔ وہاں چند روز کے بعد ایک عورت نے خبر دی کہ کیا مطمئن بیٹھے ہو۔ حضرت بادشاہ فوراً سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ نہیں تو کنبایت کے لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کریں گے۔ حضرت بادشاہ کے بعض امرا نے اس باغی جماعت پر حملہ کر کے ان ...ں سے بعض کو قید کر لیا اور بعض کو قتل کیا۔ کنبایت سے حضرت بادشاہ بڑودہ میں آئے اور پھر وہاں سے چمپانیر گئے۔

ایک دن بیٹھے بٹھائے یکایک ایک بلبل بی اور مرزا عسکری کے کچھ آدمی احمد آباد چھوڑ کر بھاگے ہوئے حضرت بادشاہ کے پاس آئے اور یہ خبر لائے کہ مرزا عسکری اور یادگار مرزا نے آپس میں کچھ ساز باز کر لی ہے اور آگرہ جانے والے ہیں۔ جب حضرت بادشاہ نے یہ سنا تو آپ کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ آپ واپس آگرہ چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے گجرات کی مہم اور معاملات کو چھوڑا اور گجرات سے منہ موڑ کر کوچ کرتے ہوئے آگرہ میں آ گئے اور ایک سال تک وہیں رہے۔

اس کے بعد آپ چنادہ گئے اور چنادہ اور بنارس پر قبضہ کیا۔ ان دنوں شیر خاں چرکنڈہ میں تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ میں آپ کا پرانا خادم ہوں۔ مجھے کوئی ایسا علاقہ عنایت کر دیں کہ جس کی حدود مقرر ہوں تاکہ میں وہاں مقیم ہو جاؤں۔

حضرت بادشاہ ابھی اس درخواست پر غور کر رہے تھے کہ اس اثنا میں گوڑ بنگالہ کا حاکم زخمی ہو کر آپ کی پناہ میں آ گیا۔ اس وجہ سے آپ نے شیر خاں کی کوئی بات نہ مانی اور کوئی معاہدہ نہ کیا بلکہ فوج سمیت گوڑ بنگالہ کا رخ کیا۔ جب شیر خاں کو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ گوڑ بنگالہ کی طرف گئے ہیں تو وہ بھی سواروں کی ایک بڑی جماعت لے کر وہاں چلا گیا اور اپنے بیٹے جلال خاں کے ساتھ جا کر شامل ہو گیا۔ اس کا بیٹا جلال خاں اور اس کا غلام خواص خاں پہلے ہی سے گوڑ بنگالہ میں موجود تھے۔ شیر خاں نے ان دونوں کو وہاں سے روانہ کیا اور کہا کہ جا کر گڑھی کی استحکام بندی کر لو۔ ان دونوں نے آ کر گڑھی پہ قبضہ جما لیا۔ حضرت بادشاہ نے جہانگیر بیگ کو پہلے ہی یہ ہدایت کر دی تھی کہ گڑھی پہ قبضہ کر لو۔ وہ بھی ایک منزل آگے بڑھا اور گڑھی جا پہنچا۔ وہاں جنگ ہوئی جہانگیر بیگ زخمی ہو گیا اور بہت سے آدمی مارے گئے۔

مقام کہل گانو میں تین چار دن قیام کرنے کے بعد حضرت بادشاہ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ آگے بڑھیں اور گڑھی کے نزدیک پہنچ جائیں۔ جب آپ منزلیں طے کرتے ہوئے پہلے وہاں پہنچے تو شیر خاں اور خواص خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ دوسرے دن آپ گڑھی میں داخل ہوئے اور گڑھی

سے گزر کر گوڑ بنگالہ گئے اور اسے بھی فتح کیا۔ آپ نو مہینے تک ولایت گوڑ میں تھے۔ ... اور گوڑ کا نام جنت آباد رکھا۔ جب آپ امن چین سے گوڑ میں تھے تو یہ خبر آئی کہ بعض امرا بھاگ کر مرزا ہندال سے جا ملے ہیں۔

خسرو بیگ، زاہد بیگ اور سید امیر مرزا نے مرزا ہندال کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی کہ حضرت بادشاہ آج کل بخیر و سلامت دور گئے ہوئے ہیں اور مرزایان یعنی محمد سلطان مرزا اور اس کے بیٹے الغ مرزا اور شاہ مرزا نے دوبارہ سر اٹھایا ہے اور ہر وقت ایک دوسرے کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ اور شیخت پناہی بندگی شیخ بہلول نے ان دنوں میں زرہ بکتر اور زین ساز اور سپہ گری کا سامان ایک تہ خانہ میں چھپا رکھا ہے اور اسے ٹھیلوں پر لاد کر خفیہ طور پر شیر خاں اور مرزایان کو بھیجتے رہتے ہیں۔

مرزا ہندال کو اس بات کا یقین نہیں آیا اور آپ نے تحقیق کے لیے مرزا نور الدین محمد کو بھیجا۔ انہوں نے واقعی زرہ بکتر اور زین ساز وغیرہ کا خفیہ ذخیرہ معلوم کیا اور اس لیے بندگی شیخ بہلول کو قتل کر دیا۔ جب حضرت بادشاہ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ آگرہ کی طرف روانہ ہوگئے آپ گنگا دریا کے بائیں کنارہ کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ جب آپ منگیر کے سامنے پہنچے تو امرا نے عرض کی کہ آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ جس راستہ سے آپ آئے تھے اسی راستہ سے آپ کو واپس جانا چاہیے تاکہ شیر خاں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اپنے آنے کا راستہ چھوڑ کر آپ دوسرے راستہ سے پسپا ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت بادشاہ دوبارہ منگیر آئے اور اپنے اہل و عیال کے اکثر آدمیوں کو کشتی کے ذریعے مخالف سمت میں حاجی پور پٹنہ تک لائے۔

جب آپ بنگال گئے تھے تو قاسم سلطان کو اس جگہ حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اب یہ خبر آئی کہ شیر خاں قریب آ پہنچا ہے۔ جب کبھی جنگ ہوئی۔ حضرت بادشاہ کے آدمی غالب آئے اس اثنا میں بابا بیگ جونپور سے اور میرک بیگ چنادہ سے اور مغل بیگ اودھ سے حضرت بادشاہ کی خدمت میں آگئے۔ اور ان تین امرا کے آنے جانے کی وجہ سے غلہ گراں ہوگیا۔

کچھ خدا کی مرضی یہی تھی۔ ایک دن سب غافل بیٹھے ہوئے تھے کہ شیر خاں نے آ کر حملہ کر دیا۔ بادشاہی لشکر کو شکست ہوئی اور بہت سے بادشاہی آدمی اور متعلقین قید ہوگئے۔ حضرت بادشاہ کے دست مبارک میں بھی زخم آیا۔ اس شکست کے بعد تین دن تک آپ چنادہ میں رہے اور پھر اودل پہنچے۔ مگر جب دریا کے کنارے پہ آئے تو حیران تھے کہ بغیر کشتی کے کیونکر دوسری

طرف جائیں۔ اتنے میں راجہ بیرہمان پانچ چھ سواروں کے ساتھ آگیا اور اس نے آپ کو ایک پایاب جگہ سے دریا کے پار گزار دیا۔ بادشاہی آدمی چار پانچ دن کے فاقے سے تھے ان کے لیے راجہ نے ایک بازار لگوا دیا۔ اس طرح لشکر کے آدمیوں نے چند دن خوب آسائش سے بسر کیے اور گھوڑوں کو بھی آرام ملا۔ جو آدمی پیدل تھے انہوں نے نئے تازہ دم گھوڑے خرید لیے۔ غرض راجہ بہت ہی شائستہ اور مناسب خدمات بجا لایا۔ دوسرے دن حضرت بادشاہ نے راجہ کو رخصت کیا اور سعادت اور سلامتی سے ظہر کی نماز کے وقت دریائے جمنا کے کنارے پر آئے اور ایک پایاب جگہ سے لشکر دریا کے پار ہوا۔ چند دن بعد کرہ پہنچے۔ اس جگہ غلہ اور چارہ کثرت سے دستیاب ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ اپنا ہی علاقہ تھا۔ یہاں آرام کرنے کے بعد لشکر کے آدمی کاپی آئے اور کالپی سے روانہ ہو کر آگرہ کا رخ کیا۔ آگرہ پہنچنے سے پہلے خبر آئی کہ شیر خاں چوسہ کی طرف سے آرہا ہے۔ اس سے آدمیوں میں بہت اضطراب پھیل گیا۔

اس ہلچل میں بعض آدمی ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا کچھ بھی نام و نشان نہ ملا۔ ان ہی میں عائشہ سلطان بیگم دختر سلطان حسین مرزا، بچیکا کا بادشاہ بابام کی پرانی ملازمہ۔ بیگہ جان کوکہ عقیقہ بیگم۔ چاندبی بی جو سات مہینہ سے حاملہ تھیں اور شاد بی بی شامل ہیں۔ موخر الذکر تین بیویاں حضرت بادشاہ کے حرم میں تھیں۔ گمشدہ لوگوں میں سے بعض کی بالکل خبر نہ ملی کہ دریا میں ڈوب گئے یا کیا ہوئے۔ حضرت بادشاہ نے بعد میں ہر چند تلاش اور جستجو کی مگر ان کا کچھ پتہ نہ ملا۔

چالیس روز تک حضرت بادشاہ بیمار رہے۔ اس کے بعد صحت پائی۔

اس اثنا میں خسرو بیگ، دیوانہ بیگ، زاہد بیگ اور سید امیر بادشاہ کی خدمت میں آئے اور مرزایان یعنی محمد سلطان مرزا اور اس کے بیٹوں کے متعلق پھر، معلوم ہوا کہ وہ قنوج میں آگئے ہیں۔

شیخ بہلول کے قتل کے بعد مرزا ہندال دہلی چلے گئے اور میر فقیر علی اور بعض وفادار آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے تاکہ محمد سلطان مرزا اور اس کے بیٹوں کا تدارک کریں۔ مرزایان اس طرف سے بھاگ کر قنوج کی طرف آگئے۔ مرزا یادگار کو میر فقیر علی دہلی میں لے آئے۔ چونکہ مرزا ہندال اور مرزا یادگار ناصر کے درمیان اتحاد اور اخلاص نہ تھا اس لیے میر فقیر علی نے جو یہ حرکت کی تو غصہ میں آکر مرزا ہندال نے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔

مرزا کامران نے جب یہ باتیں سنیں ان کے دل میں بھی بادشاہی کی ہوس پیدا ہوئی اور

بارہ ہزار مسلح سواروں کو ساتھ لے کر انہوں نے بھی دہلی کا رُخ کیا۔ جب وہ دہلی پہنچے تو میر فقیر علی اور مرزا یادگار ناصر نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ دو تین دن گزرنے کے بعد میر فقیر علی قول و قرار کر کے مرزا کامراں کے پاس آئے اور عرض کی کہ حضرت بادشاہ اور شیر خاں کی بابت اس قسم کی متوحش خبریں سُنی جاتی ہیں۔ اور مرزا یادگار ناصر یہ نہیں چاہتا کہ آپ کے ساتھ شامل ہو جائے۔ موجودہ صورت میں یہی مناسب ہے کہ آپ مرزا ہندال کو قید کر کے آگرہ کی طرف متوجہ ہوں اور دہلی میں ٹھہرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ مرزا کامراں نے میر فقیر علی کی بات پسند کی اور خلعت دے کر انہیں رخصت کیا۔ مرزا ہندال کو گرفتار کر کے آگرہ میں آئے۔ وہاں حضرت فردوس مکانی کے مزار کی زیارت کی اور اپنی والدہ اور بہنوں سے ملاقات کے بعد باغ زر افشاں میں قیام کیا۔

اس اثنا میں نور بیگ آیا اور خبر لایا کہ حضرت بادشاہ آ رہے ہیں۔ چونکہ شیخ بہلول کے قتل کی وجہ سے مرزا ہندال شرمندہ تھے اس لیے وہ الور کی طرف چلے گئے۔

چند دن کے بعد باغ زر افشاں سے نکل کر مرزا کامراں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس دن حضرت بادشاہ آئے تھے ہم اُسی دن شام کو ان کے حضور میں باریاب ہوئے تھے۔ جب آپ نے اس ناچیز کو دیکھا تو فرمایا کہ میں نے تو تجھے پہلے پہچانا ہی نہیں کیونکہ جب ہمارا ظفر اثر لشکر گوڑ بنگالہ گیا تھا اس وقت تک تو تُو ٹوپی پہنا کرتی تھی اور اب جو میں نے تجھے پٹک قصابہ پہنے دیکھا تو نہیں پہچانا کہ کون ہے۔ گلبدن تو مجھے بہت یاد آتی تھی اور بعض دفعہ میں پشیمان ہو کر رہتا تھا۔ کاش تجھے اپنے ساتھ لے آتا۔ مگر جب وہاں یہ ہلچل مچی تو میں نے شکر کیا اور کہا کہ الحمد للہ میں گلبدن کو اپنے ساتھ نہیں لایا۔ عقیقہ یوں تو ذرا سی لڑکی تھی مگر اس کے لیے میں نے بے انتہا غم اور افسوس کیا اور پشیمان ہوتا تھا کہ اسے میں اپنے ہمراہ کیوں لایا۔

کچھ دن کے بعد حضرت بادشاہ میری والدہ سے ملنے آئے اور آپ قرآن شریف اپنے ساتھ لائے تھے۔ فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لیے اور لوگ ہٹ جائیں۔ جب اور سب اٹھ کر چلے گئے اور خلوت ہو گئی تو آپ نے آجم اور اس ناچیز اور افغانی آغا چہ اور گلنار آغا چہ نارگل آغا چہ اور میری اناکو مخاطب کر کے کہا۔ ہندال میرا دست و بازو ہے۔ جس طرح ہمیں آنکھ کی بینائی مطلوب ہے اسی طرح قوت بازو بھی پسند اور درکار ہے۔ شیخ بہلول کے قضیہ کی بابت میں مرزا ہندال سے کیا شکایت کر سکتا ہوں۔ جو تقدیر الٰہی تھی کہ پوری ہوئی۔ اب میرے دل میں ہندال کی طرف سے کوئی میل نہیں اور اگر تمہیں اس کا یقین نہیں تو..... آپ نے قرآن شریف

کو اونچا اٹھالیا تھا مگر میری والدہ دلدار بیگم اور اس ناچیز نے اسے آپ کے ہاتھ سے لے لیا اور سب نے کہا۔ یہ سب سچ ہے۔ آپ ایسی باتیں کیوں کہتے ہیں؟

آپ نے دوبارہ فرمایا گلبدن کیا اچھا ہو اگر تو جاکر اپنے بھائی ہندال کو لے آتے۔ میری والدہ نے کہا۔ یہ ذراسی بچی ہے کبھی اس نے اکیلے سفر نہیں کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں خود چلی جاؤں۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا اگر میں آپ کو یہ تکلیف دوں تو یہ اس لیے ہے کہ بچوں کی غم خواری ماں باپ پر لازم ہے۔ اگر آپ جائیں تو ہمارے حق میں آپ کی یہ عین عنایت اور ہمدردی ہوگی۔

آخر امیر ابوالبقا کو آپ نے میری والدہ کے ساتھ مرزا ہندال کو لانے کے لیے بھیجا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی مرزا ہندال آپ کے پاس آگئے۔ حضرت والدہ بہت خوش ہوئیں۔ مرزا ہندال آپ کے استقبال کے لیے آئے تھے اور آپ کی ہمراہی میں الور سے روانہ ہوکر حضرت بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے۔ شیخ بہلول کے بارے میں مرزا ہندال نے یہ کہاکہ وہ زرہ بکتر، زین ساز اور سپہ گری کا سازوسامان شیر خاں کو بھیجا کرتے تھے اس لیے میں نے انہیں قتل کیا۔

غرض چند روز بعد خبر آئی کہ شیر خاں لکھنو کے قریب پہنچ گیا ہے۔ ان دنوں ایک سقہ حضرت بادشاہ کا خادم تھا۔ جب حضرت بادشاہ چوسر کے مقام پر دریا میں اپنے گھوڑے سے الگ ہوگئے تھے تو اس سقہ نے آکر آپ کی مدد کی تھی اور اسی کی مدد سے آپ اس بھنور سے صحیح سلامت باہر نکلے۔ اس خدمت کے صلہ میں آپ نے اس سقے کو تخت پر بٹھادیا۔ اس جاں نثار خادم کا نام مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہوا کیونکہ بعض لوگ اسے نظام کہتے تھے اور بعض سنبل کہتے تھے۔ غرض اس سقہ کو تخت پر بٹھاکر آپ نے حکم دیا کہ سب امرا اس کے سامنے کورنش کریں۔ اور اس کا جو جی چاہے کسی کو دے اور جس کسی کو جی چاہے منصب عطا کرے۔ دو دن کے لیے اس سقہ کو بادشاہی دی گئی۔

مرزا ہندال اس سقے کے دربار میں حاضر نہ ہوئے۔ آپ دوبارہ الور چلے گئے تھے تاکہ جنگ کا سامان وغیرہ مہیا کریں۔ مرزا کامران بھی اس مجلس میں نہ آئے۔ آپ بیمار تھے اور آپ نے حضرت بادشاہ کو یہ کہلا کر بھیجا کہ اس غلام پر عنایت اور مہربانی کسی اور شکل میں کرنی چاہیے تھی۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی کہ اس کو تخت پر ہی بٹھادیا جائے۔ آج کل شیر خاں تو قریب آپہنچا ہے اور آپ یہ کھیل

کر رہے ہیں۔

ان دنوں میں مرزا کامران کی بیماری نے بہت زور پکڑا۔ آپ ایسے کمزور اور دبلے ہو گئے کہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ مگر خدائی عنایت سے آپ کی حالت بہتر ہو گئی۔ مرزا کامران کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت بادشاہ کے ایما سے آپ کی سوتیلی ماؤں نے آپ کو زہر دے دیا ہے۔ جب حضرت بادشاہ نے یہ بات سُنی تو آپ فوراً مرزا کامران سے ملنے گئے اور قسم کھائی کہ ہرگز یہ بات کبھی ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی۔ اور نہ ہم نے کسی سے یہ کہا۔ باوجود قسمیں کھانے کے مرزا کامران کا دل صاف نہیں ہوا اور آپ کی بیماری بھی دوبارہ دن بدن بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ بات کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔

خبر آئی کہ شیر خاں لکھنؤ سے روانہ ہو گیا۔ حضرت بادشاہ نے اپنا ڈیرہ اٹھا کر قنوج کا رخ کیا اور مرزا کامران کو اپنی جگہ آگرہ میں چھوڑ گئے۔ چند دن کے بعد مرزا کامران نے سنا کہ حضرت بادشاہ نے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے گنگا کو عبور کر لیا ہے۔ یہ سن کر آپ بھی آگرہ سے چل کھڑے ہوئے ہم لوگ لاہور کے قریب مقیم تھے کہ مرزا کامران نے ایک بادشاہی فرمان بھیجا کہ تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ تم میرے ساتھ لاہور جاؤ۔ میری بابت مرزا کامران نے حضرت بادشاہ سے کہا تھا کہ میری بیماری بہت شدید ہے۔ اور اس پردیس میں میرا کوئی دوست اور غمخوار نہیں۔ اگر آپ گلبدن سے کہیں کہ وہ میرے ساتھ لاہور چلی جائے تو عین عنایت و مہربانی ہوگی۔ حضرت بادشاہ نے ناچار ہو کے یہ کہہ دیا تھا کہ اچھا چلی جائے۔ اب جب حضرت بادشاہ خیر و سلامتی سے لکھنؤ کی طرف دو تین منزل چلے گئے تو مرزا کامران نے مجھے شاہی فرمان دکھایا اور اصرار کیا کہ تم ضرور میرے ساتھ چلو۔ میری والدہ نے کہا اس نے کبھی ہم سے الگ ہو کر سفر نہیں کیا۔ مرزا کامران نے جواب دیا۔ اگر تنہا سفر نہیں کیا تو آپ بھی ساتھ چلیں۔ اس گفتگو کے بعد مرزا نے کوئی پانچ سو سپاہی اور معتبر افسر اور اپنے رضاعی باپ اور بھائی دونوں کو میری والدہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ اگر آپ لاہور تک نہیں جاتیں تو اس طرف ایک منزل تک ہی میرے ساتھ چلی چلو۔ چنانچہ ہم ایک منزل تک ان کے ساتھ گئے۔ یہاں آ کر مرزا کامران نے پھر بہت سی قسمیں کھائیں اور دوبارہ یہی کہا کہ میں تجھے اپنے پاس سے نہیں جانے دوں گا۔

آخر بہت گریہ وزاری کے ساتھ اپنی سوتیلی ماؤں سے اور اپنی والدہ سے اور اپنی بہنوں سے۔ اپنے والد کے آدمیوں سے اور اپنے بھائیوں سے۔ غرض ان سب لوگوں

سے جن کے ساتھ میں بچپن سے بڑھی پلی تھی مجھے جدا ہونا پڑا اور مرزا کامران زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ فرمانِ شاہی بھی یہی ہے اس لیے بھی لاچار ہو گئی۔ حضرت بادشاہ کے پاس میں نے ایک عرضداشت بھیجی کہ مجھے جناب سے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس ناچیز کو اپنی خدمت سے جدا کر کے مرزا کامران کے حوالے کر دیں گے۔ اس عریضہ کے جواب میں آپ نے ایک خط اس مضمون کا ارسال فرمایا کہ میرا جی یہ نہیں چاہتا تھا کہ تجھے اپنے سے جدا کروں۔ مگر جب مرزا نے اس قدر اصرار کیا اور منت سماجت کی تو مجبوراً تجھے ان کے سپرد کرنا پڑا۔ آج کل مشکل یہ ہے کہ ہمیں مہم درپیش ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب ہم اس جنگ سے فارغ ہوں گے تو سب سے پہلے تجھے اپنے پاس بلالیں گے۔

جب مرزا کامران لاہور کی طرف روانہ ہوئے تو اکثر امرا اور سوداگر تاجر وغیرہ جنہیں اس کی استطاعت تھی انہوں نے بھی سفر کا سامان کیا اور اپنے اہل و عیال کو مرزا کی ہمراہی اور حفاظت میں لاہور لے گئے۔

جب ہم لاہور پہنچے تو سنا کہ دریائے گنگا کے کنارے پر جنگ ہوئی اور شاہی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ بارے اتنا غنیمت ہے کہ حضرت بادشاہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں سمیت اس شدید خطرہ سے صحیح سلامت نکل آئے۔

ہمارے اور عزیز جو آگرہ میں تھے وہ الور کے راستہ لاہور روانہ ہوئے۔ اس نازک وقت میں حضرت بادشاہ نے مرزا ہندال سے کہا۔ اس پہلی ہلچل میں عقیقہ بی بی غائب ہو گئی تھیں اور بعد میں مجھے بہت پشیمانی ہوئی کہ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ میں خود انہیں قتل کر دیتا۔ اب پھر یہی صورتحال ہے کہ عورتوں کو کسی حفاظت کی جگہ پہنچا دینا مشکل ہے۔ مرزا ہندال نے جواب میں کہا "یہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ماں اور بہن کو قتل کرنا کیسا ہوتا ہے۔ جب تک میری جان میں جان ہے میں ان کی خدمت اور حفاظت کروں گا اور حق سبحانہٗ سے امیدوار ہوں کہ حضرت والدہ اور ہمشیرہ کے قدموں میں اپنی حقیر زندگی نثار کر دوں "

آخر حضرت بادشاہ اور مرزا عسکری اور یادگار ناصر مرزا اور بعض اور امرا جو میدان جنگ سے سلامت بچے تھے فتح پور کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مرزا ہندال اپنی والدہ دلدار بیگم اور ہمشیر گلچہرہ بیگم اور افغانی آغاچہ۔ گلنار آغاچہ۔ نارگل آغاچہ اور بعض امرا کے اہل و عیال کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے گنواروں نے حملہ کیا۔ مرزا ہندال کے بعض سپاہیوں نے اپنے گھوڑے

ان کی طرف دوڑائے اور انھیں مار کر بھگا دیا۔ مرزا ہندال کا گھوڑا ایک تیر سے زخمی ہوا۔ غرض جنگ وجدل کے بعد بہت سے ضعیف آدمیوں اور عورتوں کو گنواروں کی قید سے نجات دلائی اور حضرت والدہ اور اپنی بہن اور بہت سے امرا کے اہل وعیال کو آگے روانہ کیا اور خود الور چلے گئے اور وہاں سے چادر اور خیمہ وغیرہ بعض ضروری سامان لے کر چند دن بعد لاہور پہنچ گئے۔

لاہور میں حضرت بادشاہ نے خواجہ غازی کے باغ میں بی بی حاج تاج کے مقبرہ کے قریب قیام کیا۔ ان دنوں ہر روز شیر خاں کی خبر سننے میں آتی تھی۔ تین مہینے تک لاہور میں رہے اور آئے دن یہی خبر آتی تھی کہ شیر خاں اب دو کوس اور اب تین کوس اور آگے بڑھا ہے۔ آخر سنا کہ سرہند پہنچ گیا ہے۔

حضرت بادشاہ کے پاس مظفر بیگ نامی ایک ترکمان امیر تھا۔ آپ نے اسے قاضی عبداللہ کے ہمراہ شیر خاں کے پاس بھیجا اور کہوایا کہ یہ کیا انصاف ہے۔ سارا ہندوستان میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا۔ ایک لاہور میرے پاس رہ گیا ہے۔ بس اب سرہند ہمارے اور تمہارے درمیان سرحد ہونی چاہیے۔

اس بے انصاف خدا ناترس نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا کہ میں نے کابل تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے وہاں چلے جائیے۔

مظفر بیگ اسی وقت واپس روانہ ہو گئے اور اپنے آگے ایک قاصد کو دوڑایا کہ جا کر حضرت بادشاہ سے کہو کہ بس اب لاہور سے روانہ ہو جائیں۔ یہ خبر پاتے ہی آپ چل کھڑے ہوئے۔ وہ دن بھی گویا قیامت کا دن تھا۔ لوگوں نے اپنے آراستہ مکان اور ساز و سامان کو خیرباد کہا۔ ہاں نقدی جو کچھ پاس تھی وہ ساتھ لے گئے۔ اتنا شکر ہے کہ لاہور کے قریب دریائے راوی کو عبور کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک پایاب جگہ سے سب لوگ پار ہوئے اور چند دن دریا کے دوسرے کنارے پر قیام کیا۔ یہاں شیر خاں کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔ حضرت بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ دوسرے روز صبح اس سے ملاقات کریں۔ مرزا کامراں نے یہ درخواست پیش کی کہ کل صبح جو مجلس ہوگی اور شیر خاں کا ایلچی حاضر ہوگا اس وقت اگر میں آپ کی مسند کے ایک کونے پر بیٹھ جاؤں تاکہ مجھ میں اور میرے بھائیوں میں کچھ امتیاز ہو جائے تو یہ بات میرے لیے بہت سرافرازی کا باعث ہوگی۔

حمیدہ بانو بیگم کہتی ہیں کہ حضرت بادشاہ نے یہ رباعی لکھ کر مرزا کامران کو بھجوا دی۔ مگر،

میں نے یہ سنا تھا کہ آپ نے جواباً شیرخاں کو اس کے ایلچی کے ہاتھ یہ رباعی بھجوائی تھی۔ وہ رباعی یہ ہے ؎

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد — پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد
خود را بمثال غیر دیدن عجب است — ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

شیرخاں کی طرف سے جو ایلچی آیا تھا وہ آپ کے حضور میں آکر آداب بجا لایا۔

آپ کی خاطر مبارک ملول ہوگئی۔ اس مغمومی کی حالت میں آپ سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ آپ کے ایک عزیز آئے جو سر سے پاؤں تک سبز لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ ان بزرگ نے آپ سے کہا جواں مرد بنو اور رنج نہ کرو۔ انہوں نے اپنا عصا حضرت بادشاہ کے ہاتھ میں دیا اور کہا خدا تعالے تجھے ایک لڑکا دے گا۔ اس کا نام جلال الدین محمد اکبر رکھیو حضرت بادشاہ نے پوچھا آپ کا اسم شریف کیا ہے فرمایا ژندہ پیل احمد جام اور کہا کہ وہ لڑکا میری نسل سے ہوگا۔

ان دنوں بی بی گونور کے ہاں بچہ ہونے والا تھا۔ سب کہتے تھے کہ لڑکا ہوگا مگر جمادی الاول کے مہینہ میں دوست منشی کے باغ میں بی بی گونور کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بخشی بانو بیگم رکھا گیا۔

ان ہی دنوں میں مرزا حیدر کو حضرت بادشاہ نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے متعین کیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ شیرخاں آپہنچا۔ عجب اضطراب پھیل گیا اور یہ قرار پایا کہ دوسرے دن صبح سب لاہور سے روانہ ہو جائیں۔

جن دنوں حضرت بادشاہ اور آپ کے بھائی لاہور میں تھے تو ہر روز آپس میں صلاح مشورے ہوتے تھے مگر کسی ایک بات پر مطلق اتفاق نہ ہوا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ شیرخاں قریب آپہنچا ہے تو کوئی اور تدبیر بن نہ پڑی۔ ایک پہر دن تھا کہ سب چل کھڑے ہوئے۔ حضرت بادشاہ کشمیر جانے کا قصد رکھتے تھے جہاں آپ پہلے مرزا حیدر کاشغری کو روانہ کر چکے تھے۔ مگر اب تک وہاں سے کوئی خبر نہ آئی تھی۔ امرا نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگر حضرت کشمیر جائیں اور بالفرض وہ ملک اب تک فتح نہ ہوا ہو اور شیرخاں اس اثنا میں لاہور پہنچ جائے تو اس صورت میں بہت دقت کا سامنا ہوگا۔

خواجہ کلاں بیگ سیالکوٹ میں تھا اور خدمت گزاری کی جانب مائل نظر آتا تھا۔ خواجہ کے ساتھی موید بیگ نے حضرت بادشاہ کے پاس عرضداشت بھیجی کہ خواجہ آپ کی خدمت میں

حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہے مگر اسے مرزا کامران کا بھی لحاظ ہے۔ اگر آپ فوراً یہاں آجائیں تو خواجہ کی خدمات بہت اچھی طرح حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی حضرت بادشاہ زرہ پہن کر اور ہتھیار باندھ کر خواجہ کی طرف روانہ ہوگئے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی اس بات سے اتفاق کریں تو اچھا ہے کہ میں بدخشاں چلا جاؤں۔ اور کابل مرزا کامران کے پاس رہے۔ مگر مرزا کامران اس پر بھی رضامند نہ ہوئے کہ حضرت بادشاہ کابل کے راستے سے بدخشاں چلے جائیں اور کہنے لگے کہ اپنی زندگی میں حضرت فردوس مکانی نے کابل میری والدہ کو دے دیا تھا۔ آپ کا اس طرف جانا مناسب نہیں۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ کابل کے بارے میں تو حضرت فردوس مکانی اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ کابل میں کسی کو بھی نہیں دوں گا اور میرے بچوں کو چاہیے کہ وہ کابل کی ہوس نہ کریں۔ میرے سب بچے کابل میں پیدا ہوئے اور کابل میں مقیم ہونے کے بعد مجھے بہت سی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ آپ کی اس بات کا واقعہ نامہ فردوس مکانی میں کئی جگہ ذکر ہے۔ یہ خوب ہے کہ میں نے مرزا کامران کو بھائی سمجھ کر اس سے اس قدر مہربانی اور شفقت برتی اور وہ اب یہ باتیں کرتا ہے۔

ہر چند حضرت بادشاہ نے مرزا کامراں کو اطمینان دلایا اور صلح کی کوشش کی مگر مرزا کی مخالفت اور بڑھتی گئی۔ جب آپ نے دیکھا کہ مرزا کے ساتھ بہت سی جمعیت ہے اور وہ ہرگز آپ کو کابل کی طرف نہیں جانے دیں گے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ ملتان اور بھکر کا رخ کریں۔ ملتان پہنچ کر آپ نے ایک دن قیام کیا۔ یہاں غلہ کافی مقدار میں مہیا نہ ہوا مگر تھوڑا سا جو قلعہ میں دستیاب ہوا اسے آپ نے اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا اور پھر آگے چلے اور ایک ایسے دریا کے کنارے پہنچے کہ جو سات دریاؤں کا مجموعہ ہے۔ حیران کھڑے تھے کوئی کشتی نظر نہ آتی تھی اور آپ کے ساتھ بہت سا لاؤ لشکر تھا۔ اسی شش و پنج میں یہ سنا کہ خواص خاں اور شیر خاں کے چند اور امرا تعاقب میں آرہے ہیں۔ اس علاقہ میں بخشو نامی ایک بلوچ تھا جس کے پاس کئی قلعے اور بہت سی کشتیاں تھیں۔ حضرت بادشاہ نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ علم اور نقارہ اور گھوڑا اور خلعت اس بلوچ کو بھجوائی اور کشتی اور غلہ طلب کیا۔ بخشو بلوچ نے قریباً ایک سو کشتیاں غلہ سے بھر کر حضرت بادشاہ کے پاس بھیج دیں۔ اس شائستہ خدمت سے آپ بہت خوش ہوئے۔ غلہ اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا اور خیر و سلامتی سے دریا کو عبور کیا۔ خدا بخشو بلوچ کا بھلا کرے کہ اس آڑے وقت میں وہ ایسی مناسب خدمت بجا لایا۔

غرض کچھ اور مسافت طے کرنے کے بعد آپ بھکر پہنچے ۔ بھکر کا قلعہ دریا کے بیچ میں واقع ہے اور بہت مستحکم ہے ۔ اس قلعہ کے حاکم سلطان محمود نے دروازے بند کر لیے اور حضرت بادشاہ نے خیر و سلامتی سے قلعہ کے پہلو میں آ کر قیام کیا ۔ قلعہ کے نزدیک ایک باغ تھا جو شاہ حسین سمندر نے بنایا تھا ۔

آخر آپ نے میر سمندر کو شاہ حسین کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ ضرورتاً ہم تمہاری ولایت میں آئے ہیں ۔ تمہارا ملک تمہیں کو مبارک ہو ۔ ہم اس میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے ۔ ایک مرتبہ تم خود ہمارے پاس آؤ اور جو ضروری خدمت ہے وہ بجا لاؤ ۔ ہم گجرات کا قصد رکھتے ہیں اور تمہارا علاقہ تمہارے لیے چھوڑتے ہیں ۔ شاہ حسین کچھ کچھ بہانے بناتا رہا اور پانچ مہینے تک حضرت بادشاہ کو اپنے دریائی جزیرے میں ٹھہرائے رکھا ۔ پھر ایک آدمی کو آپ کے پاس بھیجا اور کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کا سامان تیار ہو جائے تو پھر اسے آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا اور خود بھی حاضر ہو جاؤں گا ۔

حضرت بادشاہ نے اس کی بات کا یقین کر لیا اور تین مہینے اور انتظار کیا ۔ غلہ کبھی ملتا تھا کبھی نہیں ملتا تھا اور لشکر کے آدمی اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو ذبح کر کے کھا لیتے تھے ۔ دوبارہ آپ نے شیخ عبدالغفور کو شاہ حسین کے پاس بھیجا اور کہلوایا آخر کب تک انتظار کراؤ گے ؟ یہاں آنے میں کیا بات مانع ہے اور اس توقف کا باعث کیا ہے ؟ یہاں یہ حال ہو گیا ہے کہ بات بات کی دقت ہے اور آدمی ہمارا ساتھ چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہیں ۔ اس نے جواب بھیجا کہ میری بیٹی تو مرزا کامران سے منسوب ہے ۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھ سے ملیں اور میں خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا ۔

اس اثنا میں ہندال مرزا نے دریا کو عبور کیا ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ قندھار جا رہے ہیں ۔ حضرت بادشاہ نے یہ سن کر مرزا کے پیچھے چند آدمی دوڑائے کہ جا کر پوچھیں کہ کیا واقعی قندھار کا قصد رکھتے ہیں ۔ دریافت کیا گیا تو مرزا نے کہا کہ یہ خبر غلط ہے ۔ یہ جواب سن کر حضرت بادشاہ میری والدہ سے ملنے کے لیے تشریف لائے ۔

اس مجلس میں مرزا ہندال کے گھر کی عورتیں بھی حضرت بادشاہ کے سلام کو آئیں ۔ ان میں حمیدہ بانو بیگم کو دیکھ کر آپ نے پوچھا " یہ کون ہے " اوروں نے کہا میر بابا دوست کی بیٹی ہیں ۔ خواجہ معظم آپ کے سامنے کھڑا تھا ۔ اسے دیکھ کر آپ نے کہا تو یہ لڑکا ہمارے عزیزوں میں سے ہوا ۔

اور حمیدہ بانو بیگم کی طرف دیکھ کر کہا اور ان سے بھی ہماری قرابت ہے۔

ان دنوں حمیدہ بیگم اکثر مرزا ہندال کے ہاں رہتی تھیں۔ دوسرے دن حضرت بادشاہ دوبارہ میری والدہ دلدار بیگم سے ملنے آئے اور فرمایا میر بابا دوست ہمارے عزیزوں میں سے ہیں۔ یہ بہت اچھا ہو اگر آپ ان کی بیٹی کی شادی ہم سے کر دیں۔ یہ سن کر مرزا ہندال نے بہت سے عذر کیے اور کہا کہ اس لڑکی کو میں اپنی بیٹی اور بہن سمجھتا ہوں۔ آپ بادشاہ ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی اس سے موافقت نہ ہو سکے اور اس سے آپ کو تکلیف ہو۔ اس پر حضرت بادشاہ خفا ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔

اس کے بعد میری والدہ نے ایک خط لکھ کر آپ کو بھیجا کہ لڑکی کی ماں تو اس سے بھی زیادہ ناز نخرے کرتی ہیں یہ عجیب بات ہے کہ آپ مرزا ہندال کی اتنی سی بات پر خفا ہو کر چلے گئے۔ حضرت بادشاہ نے جواب میں لکھا آپ کی یہ حکایت مجھے بہت پسند آئی۔ وہ جو کچھ بھی ناز کریں ہمیں بسر و چشم منظور ہے گزارے کی بابت جو لکھا ہے انشاء اللہ اسی طرح کیا جائے گا۔

میری والدہ جاکر حضرت بادشاہ کو لائیں۔ مجلس ہوئی اور اس کے بعد آپ اپنی قیام گاہ میں واپس چلے گئے۔ ایک دن پھر آپ میری والدہ کے پاس آئے اور کہا کسی کو ذرا بھیجیں کہ جاکر حمیدہ بانو بیگم کو بلا لائے۔ میری والدہ نے کسی کو بھیجا مگر حمیدہ بانو بیگم نہ آئیں اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر آداب کی غرض ہے تو میں پہلے ہی اس دن آداب بجا لا چکی ہوں۔ اب دوبارہ کس لیے آؤں۔ پھر حضرت بادشاہ نے سبحان قلی کو بھیجا کہ مرزا ہندال سے جاکر کہو حمیدہ بیگم کو یہاں بھیج دیں۔ مرزا نے کہا ہر چند میں کہتا ہوں وہ نہیں جاتی۔ تو خود کیوں نہیں جاکر کہتا۔ سبحان قلی نے خود جاکر کہا۔ بیگم نے جواب دیا بادشاہوں سے ایک دفعہ ملاقات کرنے میں تو مضائقہ نہیں مگر دوسری دفعہ ان سے ملنا گویا نامحرم سے ملنا ہے۔ اس لیے میں نہیں آتی۔ بیگم کا یہ جواب سبحان قلی نے سنا اور آکر بیان کیا۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا اگر نامحرم ہیں تو ہم محرم بنا لیں گے۔

غرض چالیس دن تک حمیدہ بانو بیگم کی طرف سے حیل و حجت رہی اور وہ کسی طرح سے راضی نہ ہوتی تھیں۔ آخر میری والدہ دلدار بیگم نے ان سے کہا کہ آخر کسی نہ کسی سے تو تم بیاہ کرو گی۔ پھر بادشاہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟ بیگم نے جواب دیا۔ ہاں میں کسی ایسے سے کروں گی کہ جس کے گریبان تک میرا ہاتھ پہنچ سکے۔ نہ کہ ایسے آدمی سے کہ جس کے دامن تک بھی میں جانتی ہوں کہ میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ میری والدہ نے انہیں بہت سی نصیحتیں کیں اور آخر

انھیں راضی کرلیا۔

غرض چالیس دن کے بحث و مباحثہ کے بعد ماہ جمادی الاوّل 948ھ میں بمقام پاتر بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت حضرت بادشاہ نے اصطرلاب اپنے ہاتھ میں لیا اور نیک ساعت دیکھنے کے بعد میر ابوالبقا کو بلاکر فرمایا کہ نکاح پڑھادو۔ مبلغ دو لاکھ کا مہر میر ابوالبقا کے سپرد کیا۔ نکاح کے بعد تین دن تک آپ پاتر میں رہے۔ اس کے بعد کشتی کے ذریعہ بکھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک مہینہ بکھر میں رہے اور میر ابوالبقا کو سلطان بکھر کے پاس بھیجا۔ وہاں جاکر میر ابوالبقا بیمار ہوگئے اور رحمتِ حق سے پیوستہ ہوئے۔

حضرت بادشاہ نے مرزا ہندال کو قندھار رخصت کیا اور مرزا یادگار ناصر کو اپنی جگہ لڑی میں چھوڑا اور خود سیاواں کی طرف روانہ ہوئے۔ سیاواں سے ٹھٹھہ تک چھ سات دن کا راستہ ہے۔ سیاواں کا قلعہ بہت مستحکم ہے اور ان دنوں آپ کا خادم میر علیکہ اس قلعہ کا حاکم تھا۔ قلعہ میں کئی توپیں تھیں اور کسی کو نزدیک آنے کی مجال نہ تھی۔ مگر چند آدمی مورچہ بناکر قلعہ کے قریب پہنچ گئے اور میر علیکہ سے نصیحتاً کہا کہ ایسے وقت میں نمک حرامی کرنا اچھا نہیں۔ میر علیکہ پر اس نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بادشاہی فوج نے نقب لگائی اور قلعہ کا ایک برج گرادیا۔ مگر قلعہ پر قابض نہ ہوسکے۔ غلہ کمیاب ہوگیا اور بہت سے آدمی حضرت بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آپ سات مہینے تک اس جگہ رہے۔ نمک حرام مرزا شاہ حسین بادشاہی آدمیوں کو پکڑ کر اپنے سپاہیوں کے حوالے کردیتا تھا اور وہ انھیں لے جاکر سمندر میں پھینک دیتے تھے۔ اس طرح ایک دفعہ اس نے تیس چالیس آدمیوں کو ایک کشتی میں بٹھاکر سمندر میں ڈبو دیا۔ اندازاً اس نے کوئی دس ہزار بادشاہی آدمی سمندر میں غرق کیے۔

اس کے بعد جب حضرت بادشاہ کے ساتھی بہت کم رہ گئے تو شاہ حسین خود چند کشتیوں میں توپ اور تفنگ ساتھ لے کر ٹھٹھہ کی سمت سے آپ پر حملہ کرنے آیا۔ سیاواں کی آبادی دریا کے کنارے واقع ہے۔ جو کشتیاں رسد وغیرہ لاتی تھیں انھیں میر علیکہ نے روک دیا اور کہلا بھیجا کہ آپ کی وفاداری کے خیال سے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ فوراً یہاں سے روانہ ہوجائیں۔ کوئی اور راستہ آپ کو نظر نہ آیا۔ ناچار واپس بکھر کی طرف روانہ ہوئے۔

جب یہاں آئے تو معلوم ہوا کہ مرزا شاہ حسین نے پہلے ہی اپنا ایک آدمی مرزا یادگار ناصر کے پاس بھیج دیا ہے اور کہلوایا ہے کہ اگر حضرت بادشاہ بکھر کا رخ کریں تو ہرگز انھیں وہاں نہ آنے

دینا۔ بکھر تمہارا اپنا علاقہ ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اپنی بیٹی کا بیاہ تم سے کروں گا۔ مرزا یادگار ناصر اس کے کہنے میں آ گئے اور حضرت بادشاہ کو بکھر میں آنے سے روک دیا اور اس سوچ میں تھا کہ آپ سے کسی فریب سے پیش آؤں یا علانیہ جنگ کروں۔

آپ نے ایک آدمی سے کہلوایا۔ بابا۔ ہم تمہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ تمہیں یہاں اس لیے رکھا تھا کہ اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو تم ہماری مدد کرو گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کسی نوکر نے تمہیں بہکا دیا ہے جو تم ہم سے یہ بے رخی برتتے ہو۔ یہ نمک حرام آدمی آخر میں تم سے بھی بے وفائی کریں گے۔ ہرچند حضرت بادشاہ نے نصیحت کی مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا آخر آپ نے کہا اچھا ہم راجہ مال دیو کی طرف جاتے ہیں۔ یہ ولایت تمہیں مبارک ہو۔ مگر ہماری یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ شاہ حسین تمہیں بھی یہاں نہیں رہنے دے گا۔

مرزا یادگار ناصر سے یہ بات کہہ کر آپ براہ جیسلمیر راجہ مال دیو کی طرف روانہ ہوئے۔ چند دن کے سفر کے بعد قلعۂ دلاور پہنچ گئے۔ جو راجہ مال دیو کی سرحد پہ واقع تھا۔ دو دن یہاں قیام کیا مگر غلہ اور چارہ دستیاب نہ ہو سکا۔ جیسلمیر کی طرف سے راجہ نے اپنے آدمیوں کو بھیجا اور انہوں نے آپ کا راستہ مسدود کر دیا۔ راجہ کے آدمیوں سے جنگ ہوئی۔ اس اثنا میں آپ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر ایک اور راستے سے چلے گئے۔ اس جنگ میں بعض آدمی جو زخمی ہوئے ان کے نام یہ ہیں ، اوش بیگ یعنی شام خاں جلا بیٹر کے بھائی۔ پیر محمد اختہ روشنگ توشکچی اور بعض اور آدمی آخر بادشاہی لشکر کو فتح ہوئی۔ اور یہ کفار بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔ اس ایک دن میں حضرت بادشاہ نے ساٹھ کوس کا سفر کرنے کے بعد ایک تالاب کے کنارے قیام کیا۔ اس کے بعد آپ ساتلمیر پہنچے یہاں کے لوگوں نے بھی آپ کو پریشان کیا اور اسی طرح لڑتے بھڑتے آپ ایک پرگنہ میں پہنچے جو پلودی کہلاتا تھا اور راجہ مال دیو کے علاقے میں شامل تھا۔ ان دنوں راجہ مال دیو جودھ پور میں تھا اس نے ایک زرہ اور ایک اونٹ اشرفیوں سے لاد کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کی بہت تسلی اور تشفی کی اور آپ کے آنے پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ بیکانیر کا علاقہ میں آپ کو دیتا ہوں۔ حضرت بادشاہ مطمئن ہو گئے اور اتکہ خاں کو مال دیو کے پاس مزید حالات معلوم کرنے بھیج دیا۔

ملا سرخ کتابدار ہندوستان کی اس شکست اور ویرانی کے زمانے میں راجہ مال دیو کی ولایت میں جا کر ملازم ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت بادشاہ کے پاس ایک عریضہ بھیجا کہ ہرگز ہرگز آپ آگے نہ بڑھیں بلکہ جہاں ہیں وہاں سے فوراً روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ مال دیو آپ کو قید کرنے

کی فکر میں ہے۔ اس کی باتوں پر اعتبار نہ کریں۔ شیر خاں کا ایلچی اس کے پاس پہنچ گیا ہے اور شیر خاں نے اسے لکھا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے آپ کو گرفتار کر لے۔ اور اگر یہ کام سرانجام ہو گیا تو ناگور اور الور اور جو جگہ تم چاہو میں تمہیں دے دوں گا۔ اتکہ خاں نے بھی اگرچہ یہی رائے ظاہر کی ٹھہرنے کا وقت نہیں۔ عصر کی نماز کے وقت حضرت بادشاہ چل کھڑے ہوئے۔ جب آپ سوار ہو رہے تھے تو آپ کے آدمی دو جاسوسوں کو گرفتار کر کے لائے۔ آپ ان سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اتنے میں دفعتاً ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ چھڑائے اور محمود کردیاز کی کمر سے تلوار چھین کر پہلے اس پر وار کیا اور پھر باقی تولیاری کو زخمی کیا۔ اسی طرح اس کے ساتھی نے بھی ایک اور آدمی کا خنجر چھین کر مقابلہ کیا اور بعض آدمیوں کو زخمی کر دیا اور حضرت بادشاہ کی سواری کے گھوڑے کو بھی مار دیا۔ بالآخر بادشاہی آدمیوں نے بہت کشمکش کے بعد ان دونوں کو قتل کیا۔

اس اثنا میں شور مچا کہ مال دیو آ گیا۔ حضرت بادشاہ کے پاس حمیدہ بانو بیگم کی سواری کے لیے کوئی موزوں گھوڑا نہ تھا۔ آپ نے ان کے لیے تردی بیگ سے گھوڑا مانگا۔ غالباً تردی بیگ نے اپنا گھوڑا دینا پسند نہیں کیا۔ آپ نے کہا میرے لیے جوہر آفتابچی کا اونٹ تیار کر دیا جائے۔ میں اس اونٹ پر سوار ہو جاؤں گا اور بیگم میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ندیم بیگ نے یہ سنا کہ حضرت بادشاہ نے اپنا گھوڑا بیگم کی سواری کے لیے تجویز کیا ہے اور خود اونٹ پر سوار ہونے کا خیال فرما رہے ہیں تو اس نے اپنی ماں کو اونٹ پر سوار کر دیا اور ان کا گھوڑا حضرت بادشاہ کو پیش کر دیا۔ آپ سوار ہو کر امرکوٹ کی طرف روانہ ہوئے اور اس علاقہ کا ایک آدمی راستہ بتانے کے لیے ساتھ لے لیا۔

ہوا بہت گرم تھی اور گھوڑے اور چوپائے زانو تک ریت میں دھنس جاتے تھے۔ پیچھے پیچھے مال دیو کا لشکر چلا آ رہا تھا اور اب نزدیک آ پہنچا تھا۔ ذرا سی دیر ٹھہر کر پھر بھوکے پیاسے چل کھڑے ہوتے تھے۔ زیادہ تر مرد اور عورتیں پیدل چل رہی تھیں۔ جب مال دیو کا لشکر بہت قریب آ گیا تو حضرت بادشاہ نے تیمور سلطان، منعم خاں اور بعض اور آدمیوں سے کہا کہ تم لوگ آہستہ آہستہ آؤ اور غنیم پر نگاہ رکھو۔ اس طرح ہم چند کوس آگے نکل جائیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ پیچھے رہ گئے اور جب رات ہوئی تو راستہ بھول گئے۔ حضرت بادشاہ تمام رات سفر کرتے رہے جب صبح ہوئی تو تین دن ہو گئے تھے کہ گھوڑوں کو پانی تک نہیں ملا تھا۔ اب ایک جگہ پانی دستیاب ہوا تو حضرت بادشاہ سواری سے اتر پڑے۔ مگر آپ ابھی اترے ہی تھے کہ ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور آ کر کہا کہ بہت سے ہندو آ رہے ہیں جو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہیں۔

حضرت بادشاہ نے شیخ علی بیگ۔ روشن کوکہ۔ ندیم کوکہ اور میر ولی کے بھائی میر پایندہ محمد کو بعض اور آدمیوں کے ساتھ فاتحہ پڑھ کر رخصت کیا اور کہا کہ جاؤ کافروں سے جنگ کرو۔ آپ کو یقین ہوگیا تھا کہ تیمور سلطان اور منعم خاں اور مرزا یادگار جو اس جماعت کے ساتھ تھے جسے آپ پیچھے چھوڑ آئے تھے یا تو قتل ہو گئے ہوں گے یا کفار کی قید میں ہوں گے اور کافروں کی جماعت اب ان سے نمٹنے کے بعد ہمارے سر پر آرہی ہے۔ آپ خود بھی سوار ہوئے اور چند آدمیوں کو ساتھ لے کر لشکر گاہ کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے۔ جن آدمیوں کو آپ نے فاتحہ پڑھنے کے بعد جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا تھا ان میں سے شیخ علی بیگ نے راجپوتوں کے سردار کو تیر مار کر گھوڑے سے گرا دیا اور بعض اور آدمیوں نے بعض اور کافروں کو تیر کا نشانہ بنایا۔ کافروں میں بھگدڑ مچ گئی اور بادشاہی آدمیوں کی فتح ہوئی اور وہ غنیم کے کچھ آدمیوں کو قید کر کے بھی لے آئے۔ اس اثنا میں بادشاہی لشکر آہستہ آہستہ سفر کر رہا تھا مگر حضرت بادشاہ دور نکل گئے تھے۔ یہ لوگ فتح حاصل کرنے کے بعد آکر باقی لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے اور بہبود نامی ایک چوبدار کو حضرت بادشاہ کے پیچھے دوڑایا کہ جا کر کہہ دے کہ اب آہستگی سے سفر کریں کیونکہ عنایت الٰہی سے غنیم پر فتح حاصل ہوگئی ہے اور کافر بھاگ گئے ہیں۔ بہبود چوبدار دوڑا ہوا حضرت بادشاہ کے پاس پہنچا اور یہ خوشخبری دی۔ چنانچہ آپ وہاں سے اُتر پڑے اور حسن اتفاق سے تھوڑا سا پانی بھی دستیاب ہوگیا۔ مگر امرا کے بارے میں آپ کو تشویش تھی کہ معلوم نہیں کہ انہیں کیا پیش آیا اتنے میں دور سے چند سوار آتے دکھائی دیے اور دوبارہ یہ شور مچا کہ کہیں ال دیو تو نہیں آپہنچا۔ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جا کر خبر لائے۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور آکر کہا کہ تیمور سلطان۔ مرزا یادگار اور منعم خاں صحیح سلامت آرہے ہیں۔ یہ لوگ راستہ بھول گئے تھے۔ ان کے آجانے سے آپ بہت خوش ہوئے اور خدا کا شکر بجالائے۔

صبح کے وقت پھر روانہ ہوئے۔ تین دن اور پانی نہ ملا۔ تین دن بعد چند کنوئیں نظر آئے یہ کنوئیں بہت گہرے تھے اور ان کا پانی بہت سرخ رنگ کا تھا۔ یہاں آپ نے قیام کیا۔ آپ ایک کنوئیں کے قریب اُترے تردی بیگ خاں دوسرے کنوئیں کے قریب اور مرزا یادگار۔ منعم خاں اور ندیم کوکہ ایک اور کے قریب۔ اور ایشان تیمور سلطان۔ خواجہ غازی اور روشن کوکہ نے چوتھے کنوئیں پر ڈیرہ جمایا۔

جب کسی کنوئیں میں سے ڈول اوپر آتا تھا تو آدمی اس پر ٹوٹ پڑتے تھے ایک رسّی ٹوٹ

گئے اور پانچ چھ آدمی ڈول کے ساتھ کنوئیں میں جا پڑے۔ بہت سے آدمی تو پیاس سے مر گئے تھے اور کچھ اس طرح ہلاک ہوئے۔ جب حضرت بادشاہ نے دیکھا کہ لوگ پیاس کے مارے کنوئیں میں گرے پڑتے ہیں تو آپ نے اپنے خاص مشکیزے سے سب آدمیوں کو پانی پلایا اور سب کی پیاس بجھا کر ظہر کی نماز کے وقت روانہ ہوئے۔ ایک دن ایک رات برابر سفر کرنے کے بعد ایک سرائے میں پہنچے۔ جہاں ایک بڑا سا تالاب تھا۔ اونٹ اور گھوڑے اس تالاب میں اُتر گئے اور اتنا پانی پیا کہ ان میں سے بہت سے ہلاک ہو گئے۔ گھوڑوں کی اب بہت کم تعداد تھی۔ اونٹ اور خچر باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد ہر روز پانی دستیاب ہوتا رہا یہاں تک کہ امرکوٹ پہنچ گئے۔ امرکوٹ بہت اچھی جگہ ہے اور اس میں بہت سے تالاب ہیں۔ یہاں کا رانا حضرت بادشاہ کے استقبال کو آیا اور آپ کو اپنے قلعہ کے اندر لے جا کر بہت اچھا مکان رہنے کے لیے دیا اور آپ کے امرا اور آدمیوں کو قلعہ کے باہر جگہ دی۔

اکثر چیزیں یہاں بہت سستی تھیں۔ ایک روپیہ میں چار بکرے آجاتے تھے۔ رانا نے حضرت بادشاہ کی خدمت میں بہت سے تحفے بھجوائے اور ایسی شائستہ خدمات بجا لایا کہ کس زبان سے بیان کی جائیں۔ غرض کچھ دن یہاں خوب عیش و آرام سے گزارے۔

بادشاہی خزانہ ختم ہو گیا تھا۔ مگر تردی بیگ کے پاس بہت سا روپیہ موجود تھا۔ حضرت بادشاہ نے بطور قرض اس سے کچھ رقم طلب کی۔ اس نے اسی ہزار اشرفیاں بحساب دس میں دو یعنی بیس فی صدی سود پر دیں۔ آپ نے حصہ رسد انھیں سب لشکر میں تقسیم کر دیا۔ اور آپ نے کمر خنجر اور سرو پا رانا اور اس کے بیٹوں کو عنایت کیے۔ بعض آدمیوں سے نئے گھوڑے خرید لیے۔

رانا امرکوٹ کے باپ کو مرزا شاہ حسین نے قتل کر دیا تھا۔ کچھ اس وجہ سے بھی رانا نے اپنے دو تین ہزار جرار سوار حضرت بادشاہ کی مدد کے لیے ساتھ کر دیے۔ ان کے ساتھ آپ نے بھکر کا رخ کیا۔ مگر اپنے گھربار کے بہت سے آدمیوں کو امرکوٹ میں رہنے دیا اور خواجہ معظم کو بھی وہیں چھوڑ گئے تاکہ وہ حمیدہ بانو بیگم کی خبرگیری رکھیں۔ ان کے ہاں بچہ ہونے والا تھا۔ آپ کے جانے کے تین دن کے بعد بتاریخ چہارم ماہ رجب المرجب ۹۴۹ھ بوقت صبح بروز یک شنبہ حضرت بادشاہ عالم پناہ عالمگیر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی تولد ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے وقت قمر برج اسد میں تھا۔ پیدائش کا برج ثابت میں ہونا بہت اچھا ہوتا ہے۔ منجموں نے کہا کہ جو بچہ اس ساعت میں پیدا ہوتا ہے وہ بہت صاحب اقبال ہوتا ہے اور بڑی عمر پاتا ہے۔

حضرت بادشاہ پندرہ کوس طے کر چکے تھے کہ تردی محمد خاں نے یہ خوش خبری آکر سنائی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور ایسی اچھی اور مبارک خبر لانے کے صلہ میں تردی محمد خاں کی پہلی خطائیں معاف کر دیں۔

آپ نے لاہور میں جو خواب دیکھا تھا اس کے مطابق بچّہ کا نام جلال الدین محمد اکبر رکھا۔ پھر آپ بھکر کی طرف روانہ ہوئے۔ رانا کے آدمی اور اطراف و جوانب کے لوگ اور سودمہ اور سمینہ کو ملا کر قریب دس ہزار کا لشکر آپ کے ساتھ تھا۔ پرگنہ جون میں پہنچے جہاں شاہ حسین مرزا کا ایک افسر کچھ سواروں کے ساتھ موجود تھا مگر وہ آپ کے آتے ہی بھاگ گیا۔ اس جگہ باغ آئینہ تھا جو بہت خوشنما اور خوشگوار تھا۔ اس باغ میں آپ نے قیام کیا اور آس پاس کے علاقہ میں اپنے آدمیوں کو جاگیریں عطا کیں۔ جون سے ٹھٹھ تک چھ دن کا راستہ ہے۔ چھ مہینے تک حضرت بادشاہ جون میں رہے اور وہیں آپ نے اپنے اہل و عیال اور سب آدمیوں کے متعلقین کو بلا لیا۔ اس وقت جلال الدین اکبر بادشاہ کی عمر چھ مہینے کی تھی۔

حضرت بادشاہ کے اہل و عیال کے ساتھ جو محافظ جماعت آئی تھی وہ اب منتشر ہو گئی۔ اور رانا امرکوٹ بھی آدھی رات کے وقت اپنے علاقہ کی طرف روانہ ہو گیا جس کا سبب یہ تھا کہ تردی بیگ اور رانا کی آپس میں کچھ رنجش ہو گئی تھی۔ سودمہ اور سمینہ کی جماعت نے بھی رانا کا ساتھ دیا اور واپس چلی گئی۔ اور حضرت بادشاہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اکیلے رہ گئے۔

شیخ علی بیگ جو بہت جری آدمی تھے انھیں حضرت بادشاہ نے مظفر بیگ ترکمان کے ہمراہ جاجکا کے وسیع پرگنہ کی طرف بھیجا۔ مرزا شاہ حسین نے اپنے آدمیوں کو ان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور ان دو لشکروں میں بہت سخت جنگ ہوئی۔ مظفر بیگ کو شکست ہوئی اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا اور شیخ علی بیگ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ قتل ہو گئے۔

خالد بیگ اور شاہم خاں جلائر کے بھائی لوش بیگ کی آپس میں کچھ تو تو میں میں ہوئی۔ حضرت بادشاہ نے سب باتوں میں لوش بیگ کی حمایت کی اس لیے خالد بیگ اپنے آدمیوں کو لے کر مرزا شاہ حسین کے پاس چلا گیا۔ حضرت بادشاہ نے اس کی والدہ کو جن کا نام سلطانم تھا قید کر دیا۔ اس لیے گلبرگ بیگم ناراض ہو گئیں۔ آخر آپ نے سلطانم کا قصور معاف کر دیا اور انہیں گل برگ بیگم کے ساتھ مکہ معظمہ جانے کی اجازت دے دی۔ چند دن کے بعد لوش بیگ بھی بھاگ گیا۔ حضرت بادشا
نے [illegible] نت بھیج کر کہا کہ ہم نے اس کی خاطر سے خالد بیگ کے حق میں درشتی برتی تھی اور اب

اس نے بھی وفاداری چھوڑ کر غداری اختیار کر لی۔ دیکھنا جو انا مرگ ہوگا۔ اور آخر یہی ہوا۔ فرار ہونے کے پندرہ دن بعد ہی جب وہ اپنی کشتی میں غافل سو رہا تھا تو اسی کے غلام نے چھرا مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ جب حضرت بادشاہ نے یہ خبر سنی تو آپ بہت رنجیدہ اور متفکر ہو گئے۔ شاہ حسین مرزا اپنی کشتیاں جون کے نزدیک لے آیا تھا۔ اور اس کے اور بادشاہی آدمیوں کے درمیان کبھی کشتیوں میں اور کبھی خشکی میں جنگ ہوتی رہتی تھی اور ہر دفعہ طرفین کے کچھ آدمی مارے جاتے تھے۔ ملا تاج الدین جنھیں حضرت بادشاہ در علم کہتے تھے اور جن سے آپ بہت مہربانی سے پیش آتے تھے وہ بے چارے بھی ایک جنگ میں شہید ہوئے۔

تردی محمد خاں اور منعم خاں میں بھی جھگڑا ہوا اور منعم خاں بھی بھاگ گیا۔ اب صرف چند امرا آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ جن میں تردی محمد خاں۔ مرزا یادگار۔ مرزا پاینده محمد۔ محمد ولی ندیم کوکہ۔ روشن کوکہ۔ منڈنگ ایشک آقاچی اور بعض اور آدمی شامل تھے۔ اس اثنا میں خبر آئی کہ بیرم خاں گجرات سے آرہا ہے اور جاجکا کے پرگنہ میں پہنچ گیا ہے۔ اس سے حضرت بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ اور منڈنگ ایشک آقاچی کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بیرم خاں کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔

شاہ حسین نے بھی بیرم خاں کی آمد کی خبر سنی اور اپنے آدمی اس غرض سے بھیجے کہ وہ بیرم خاں کو گرفتار کر لیں۔ جب وہ ایک جگہ بے خبر بیٹھے تھے تو ان آدمیوں نے آکر ان پر حملہ کیا۔ منڈنگ ایشک آغاچی اس لڑائی میں قتل ہوئے مگر بیرم خاں اور ان کے چند ساتھی بچ کر نکل آئے اور حضرت کی خدمت میں آکر مشرف ہوئے۔

قندھار سے قراچہ خاں نے حضرت بادشاہ اور مرزا ہندال کو خط لکھے جن کا مضمون یہ تھا کہ مدت سے آپ بھکر کے نواح میں مقیم ہیں اور اس عرصہ میں شاہ حسین کی جانب سے کوئی حسن سلوک ظاہر نہیں ہوا بلکہ وہ ہمیشہ برائی سے پیش آتا رہا ہے۔ مگر انشاءاللہ اب سب مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اگر حضرت بادشاہ بخیر و سلامتی یہاں آجائیں تو بہت اچھا ہے اور مصلحت اسی میں ہے۔ اگر حضرت بادشاہ نہ آئیں تو مرزا ہندال ضرور آجائیں۔ چونکہ حضرت بادشاہ نے آنے میں دیر کی اس لیے قراچہ خاں نے مرزا ہندال کا استقبال کیا اور قندھار ان کے حوالے کر دیا۔ مرزا عسکری غزنی میں تھے۔ مرزا کامراں نے انھیں لکھا کہ قراچہ خاں نے قندھار مرزا ہندال کو دے دیا ہے اس لیے اب وہاں کی فکر کرنا چاہیے۔ مرزا کامراں یہ چاہتے تھے کہ قندھار مرزا ہندال سے

چھین لیں۔

حضرت بادشاہ کو جب ان حالات کی خبر پہنچی تو آپ اپنی پھوپھی خانزادہ بیگم کے پاس تشریف لائے اور بہت اصرار سے کہا کہ براہ عنایت آپ قندھار جائیں اور مرزا ہندال اور مرزا کامران کو یہ سمجھائیں کہ ازبک اور ترکمان تمہارے قریب آپہنچے ہیں۔ اس نازک وقت میں آپس میں اتفاق رکھنا اچھا ہے ہم نے جو باتیں لکھی ہیں اگر مرزا کامران انہیں منظور کر لیں اور ان کے مطابق عمل کریں تو جو کچھ وہ کہیں ہم بھی اس کے مطابق کریں گے۔

حضرت خانزادہ بیگم کے قندھار پہنچنے کے چار دن بعد مرزا کامران بھی وہاں پہنچ گئے اور ہر روز اصرار کرتے تھے کہ میرے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ مرزا ہندال کہتے تھے کہ خطبہ میں تبدیلی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت فردوس مکانی نے اپنی زندگی میں بادشاہی ہمایوں بادشاہ کو دی تھی اور ان کو اپنا ولی عہد بنایا اور ہم سب نے اس سے اتفاق کیا اور اب تک ہمایوں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے ہیں۔ اب اس میں تغیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرزا کامران نے حضرت دلدار بیگم کو لکھا کہ ہم کابل سے آپ کے خیال سے آئے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک دفعہ بھی ہم سے ملنے نہیں آئیں۔ جس طرح آپ ہندال کی والدہ ہیں اسی طرح ہماری بھی ہیں۔ آخر دلدار بیگم مرزا کامران سے ملنے گئیں۔ مرزا کامران نے کہا اب جب تک آپ مرزا ہندال کو یہاں نہ بلائیں میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ دلدار بیگم نے کہا کہ خانزادہ بیگم تم سب کی ولی نعمت ہیں اور سب کی بزرگ اور بڑی بوڑھی ہیں۔ خطبہ کی حقیقت ان سے دریافت کرو۔ مرزا کامران نے آکر خانزادہ بیگم سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو سچی بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت فردوس مکانی نے فیصلہ کیا اور اپنی سلطنت ہمایوں بادشاہ کو دی اور جس طرح تم سب اب تک ہمایوں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے اب بھی اسی طرح انہیں اپنا بڑا سمجھ کر ان کے فرماں بردار رہو۔ غرض چار مہینے تک مرزا کامران قندھار کا محاصرہ کیے رہے اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے پر اصرار کرتے رہے۔ آخر یہ فیصلہ کیا کہ اچھا حضرت بادشاہ چونکہ آج کل بہت دور ہیں اس لیے فی الحال میرے نام کا خطبہ پڑھو۔ جب وہ آجائیں گے تو ان کے نام کا پڑھ دینا۔ محاصرہ نے بہت طول کھینچا تھا اور لوگ تنگ آگئے تھے اس لیے مجبوراً مرزا کامران کا خطبہ منظور کر لیا گیا۔

مرزا کامران نے قندھار مرزا عسکری کو دیا اور مرزا ہندال سے غزنی کا وعدہ کیا۔ مگر جب

وہ فوج پہنچے تو صرف ملتانات اور پہاڑی درّے ان کو دے دیے۔ اور اپنے وعدہ سے خلاف کیا۔ مرزا ہندال بددل ہو کر بدخشاں کی طرف چلے گئے اور خوست اور اندراب میں سکونت اختیار کر لی۔ مرزا کامران نے دلدار بیگم سے کہا کہ آپ جا کر انھیں منالائیں۔ جب دلدار بیگم گئیں تو مرزا ہندال نے ان سے کہا میں نے اپنے تئیں سپہ گری کے جھمیلوں سے چھڑا لیا ہے۔ خوست بھی ایک جگہ ہے۔ میں یہاں گوشہ نشین ہو گیا ہوں۔ بیگم نے کہا کہ اگر درویشی اور گوشہ نشینی چاہتے ہو تو کابل بھی ایک گوشہ ہے وہاں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہو گے۔ یہ بہتر ہے۔ غرض بہت وقت سے بیگم مرزا کو اپنے ساتھ لے آئیں اور کابل میں آپ مدت تک درویشانہ رنگ میں رہے

ان دنوں مرزا شاہ حسین نے حضرت بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ آپ قندھار چلے جائیں۔ یہ آپ کے لیے بہت مفید ہے۔ حضرت بادشاہ نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مگر لکھا کہ ہمارے لشکر کے پاس گھوڑے اور اونٹ بہت کم رہ گئے ہیں۔ تم گھوڑے اور اونٹ ہمارے لیے مہیا کر دو تاکہ ہم قندھار چلے جائیں۔ شاہ حسین مرزا نے یہ بات منظور کر لی اور کہا کہ جب آپ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائیں گے تو ایک ہزار اونٹ جو اس طرف موجود ہیں آپ کے پاس بھجوا دوں گا۔

اس کتاب میں بھکر اور سندھ کے سفر کی اکثر باتیں جو خواجہ غازی کے رشتہ دار خواجہ کیپک کی زبانی سُنی گئی ہیں انھیں خواجہ کیپک کی تحریروں سے یہاں نقل کیا گیا ہے۔ غرض حضرت بادشاہ اپنے اہل و عیال اور لشکر وغیرہ کو ساتھ لے کر کشتیوں میں سوار ہو گئے اور تین دن تک دریا میں سفر کرتے رہے۔ مرزا شاہ حسین کے ملک کی سرحد سے گزر کر ایک موضع میں قیام کیا جس کا نام نواسی تھا۔ یہاں آکر آپ نے سلطان قلی ساربان باشی کو بھیجا کہ جا کر اونٹ لے آئے۔ سلطان قلی ایک ہزار اونٹ لے آیا اور آپ نے انھیں اپنے امرا اور سپاہیوں وغیرہ میں تقسیم کر دیا۔ یہ اونٹ کچھ ایسے تھے کہ گویا سات پشت چھوڑ ستر پشت سے انھوں نے نہ تو کوئی آدمیوں کی آبادی دیکھی تھی اور نہ کبھی ان کا کسی بوجھل چیز سے سابقہ ہوا تھا۔ لشکر میں گھوڑوں کی بہت کمی تھی اس لیے اکثر آدمیوں نے اپنی سواری کے لیے اونٹ تجویز کیے تھے اور جو اونٹ باقی تھے انھیں اسباب وغیرہ اٹھانے کے لیے رکھا تھا۔ مگر جب کوئی آدمی اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوتا تھا تو فوراً وہ اونٹ اپنے سوار کو زمین پر گرا کر جنگل کی راہ لیتا۔ اور جو اونٹ اسباب کے لیے تھے وہ جب گھوڑوں کے سُم کی آواز سنتے تھے تو فوراً اپنا بوجھ زمین پر پھینک دیتے تھے اور

بھاگ کر جنگل میں غائب ہو جاتے تھے۔ اور جو کسی اونٹ پر اسباب اس مضبوطی سے باندھا گیا تھا کہ باوجود کود پھاند کے اس بوجھ سے اس کا چھٹکارا نہیں ہوتا تھا تو وہ عقل مند جانور اسباب سمیت ہی جنگل کی سمت میں راہِ فرار اختیار کرتا۔ غرض اس طرح قندھار کی طرف روانگی میں قریباً دو سو اونٹ بھاگ گئے۔ سیبی کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ حسین کا ملازم محمود ساربان باشی یہاں موجود ہے۔ اس نے قلعہ کا استحکام کیا اور اندر بند ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ میر اللہ دوست اور بابا جوک دو دن ہوئے کہ کابل سے سیبی پہنچے ہیں اور شاہ حسین کے پاس جا رہے ہیں۔ مرزا کامراں نے ان کے ہاتھ شاہ حسین کے لیے تیوچاق گھوڑے اور بہت سے پھل بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دو۔

حضرت بادشاہ نے خواجہ غازی سے کہا چونکہ تیرے اور اللہ دوست کے درمیان باپ بیٹے کی نسبت ہے اس لیے تو اللہ دوست کو خط لکھ کر یہ معلوم کر کہ مرزا کامراں ہم سے کس طرح پیش آئے گا اور اگر ہم قندھار پہنچے تو وہ ہم سے کیا سلوک کرے گا۔ اور خواجہ کیپک سے آپ نے فرمایا کہ سیبی جا کر میر اللہ دوست سے کہو کہ اگر وہ یہاں آ کر ہم سے ملے تو بہت اچھا ہے۔ خواجہ کیپک سیبی کی طرف روانہ ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ ہم تیرے واپس آنے تک یہیں ٹھہریں گے۔ جب خواجہ کیپک سیبی کے نزدیک پہنچے تو محمود ساربان باشی نے انھیں روک کر پوچھا کہ تم یہاں کس غرض سے آئے ہو انہوں نے جواب دیا گھوڑے اور اونٹ خریدنے آئے ہیں۔ محمود ساربان نے اپنے آدمیوں سے کہا ان کی بغلیں ٹٹولو اور ٹوپی ٭ دیکھو کہ کہیں اللہ دوست اور بابا جوک کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بادشاہ کا کوئی خط لے کر تو نہیں آئے۔

جب تلاشی ہوئی تو خواجہ کی بغل سے خط نکلا۔ اتنی مہلت نہ ملی کہ خط کو کسی جگہ پھینک دیتے۔ محمود نے خط لے کر پڑھا اور خواجہ کو اپنے آدمیوں کے سپرد کر کے اللہ دوست اور بابا جوک کو اسی وقت قلعہ کے اندر لے گیا اور ان پر کئی طرح کی سختیاں کیں۔ وہ قسم کھاتے تھے کہ ہمیں خواجہ کیپک کے آنے کی خبر نہیں تھی۔ وہ مجھ سے سبق لیا کرتا تھا اور خواجہ غازی کا ہم سے تعلق ہے اور وہ کامراں مرزا کے پاس رہ چکا ہے۔ اس جان پہچان کی وجہ سے اس نے ہمیں خط لکھا ہے۔ محمود نے یہ فیصلہ کیا کہ کیپک اور کچھ اور آدمیوں کو شاہ حسین کے پاس بھجوا دے۔ میر اللہ دوست اور بابا جوک ساری رات محمود کے پاس رہے اور بہت خوشامد درآمد کے بعد خواجہ کیپک کو قید سے رہائی دلائی اور تین سو اتار اور سو عدد بھی میر اللہ دوست نے حضرت بادشاہ

کے لیے بھیجے۔ خط اس خوف سے نہ لکھا کہ کہیں کسی کے ہاتھ پڑ جائے گا مگر زبانی یہ کہلا بھیجا کہ اگر مرزا عسکری یا امرا میں سے کسی کا خط آگیا ہو تو اس صورت میں کابل کی طرف جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر یہ بات نہیں تو وہاں جانے میں کچھ مصلحت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ حضرت بادشاہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس آدمی بہت کم ہیں اور وہاں جاکر آخر کیا ہوگا۔ کپیسک نے آکر یہ باتیں حضرت بادشاہ سے عرض کردیں۔

حضرت بادشاہ حیران اور فکرمند تھے کہ کیا کریں اور کہاں جائیں آپ نے امرا سے مشورہ کیا۔ تردی محمد خاں اور بیرم خاں نے یہ رائے دی کہ سوائے شال اور شال مستان کے قندھار کی سرحد ہے کسی اور جگہ کا قصد کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ شال کی طرف شال مستان کے علاقہ میں بہت سے افغان آباد ہیں انھیں ہم اپنے ساتھ ملالیں گے، اور مرزا عسکری کے امرا اور ملازم بھی بھاگ کر ہم سے آملیں گے۔ غرض متفق طور پر یہ فیصلہ کرنے کے بعد سب نے فاتحہ پڑھی اور منزلیں طے کرتے ہوئے قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔ شال مستان کے قریب پہنچ کر موضع دلی میں قیام کیا۔ برف اور مینہ برسنے کی وجہ سے ہوا بہت ہی سرد تھی۔ قرار یہ پایا تھا کہ یہاں سے شال مستان جائیں گے۔ عصر کی نماز کا وقت تھا کہ ایک ازبک جوان جو ٹٹو پر سوار تھا کپیسک کے قریب پہنچا اور چلا کر کہا کہ حضرت بادشاہ سوار ہو جائیں۔ راستے میں کچھ عرض کروں گا۔ وقت تنگ ہے اور بات کرنے کی مہلت نہیں۔ حضرت بادشاہ یہ سُن کر فوراً سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ابھی دو تیر کے فاصلہ پہ گئے تھے کہ آپ نے خواجہ معظم اور بیرم خاں کو واپس بھیجا کہ جاکر حمیدہ بانو بیگم کو ساتھ لے آؤ۔ وہ آئے اور بیگم کو سوار کرا کے ساتھ لے گئے مگر اتنی مہلت نہ تھی کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو بھی لے جاتے۔ جونہی بیگم حضرت بادشاہ کے ہمراہ جانے کے لیے لشکر گاہ سے باہر ہوئیں اسی وقت مرزا عسکری دو ہزار سوار سمیت آپہنچے اور ایک ہلچل مچ گئی۔ آتے ہی مرزا عسکری نے پوچھا بادشاہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا بہت دیر ہوئی جب شکار کھیلنے کے لیے باہر گئے تھے۔ مرزا عسکری سمجھ گئے کہ حضرت بادشاہ چلے گئے۔ انھوں نے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو اپنے ساتھ لیا اور سب بادشاہی آدمیوں کو قید کرکے قندھار لے گئے۔ وہاں جاکر محمد اکبر بادشاہ کو اپنی بیوی سلطانم کے سپرد کیا اور وہ آپ سے بہت مہربانی اور غم خواری سے پیش آئیں۔

حضرت بادشاہ جب وہاں سے روانہ ہوئے تھے تو آپ نے پہاڑ کا رخ کیا تھا چار

کوس پرے جاکر آپ رُکے تھے اور پھر بہت سرعت سے روانہ ہو گئے تھے۔ اس وقت یہ آدمی آپ کے ہمراہ تھے۔ بیرم خاں۔ خواجہ معظم۔ خواجہ نیازی۔ ندیم کوکہ۔ روشن کوکہ۔ حاجی محمد خاں۔ بابا دوست بخشی۔ مرزا قلی بیگ چولی۔ ابراہیم ایشک آغا۔ حسن علی ایشک آغا۔ یعقوب قورچی۔ عنبر ناظر ملک مختار۔ سنبل میر ہوار۔ خواجہ کیپسک۔ یہ بات تو تحقیق ہے کہ مندرجہ بالا اشخاص حضرت بادشاہ کے ہمراہ گئے۔ خواجہ غازی کہتے ہیں کہ میں بھی ساتھ تھا۔ اور حمیدہ بانو بیگم کا بیان ہے کہ کل تیس آدمی ساتھ تھے اور عورتوں میں حسن علی ایشک آغا کی بیوی بھی تھیں۔

عشا کی نماز کا وقت گزر چکا تھا جب آپ پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ پہاڑ پر اتنی برف پڑی تھی کہ اوپر جانے کا راستہ نہیں رہا تھا۔ آپ اس خیال سے بہت پریشان تھے کہ کہیں بے انصاف مرزا عسکری پیچھے سے آجائے۔ آخر ایک راستہ مل گیا اور جوں توں کر کے پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ ساری رات وہاں برف کے بیچ میں گزاری۔ نہ آگ جلانے کے لیے ایندھن پاس تھا اور نہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود تھی۔ بھوک کے مارے آدمی نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا ایک گھوڑا ذبح کرلو۔ گھوڑا ذبح کیا گیا مگر پکانے کو برتن نہ ملا۔ ایندھن ڈھونڈھ کر لائے اور ایک خود میں تھوڑا سا گوشت اُبالا۔ کچھ انگاروں پر بھونا اور سب طرف آگ سلگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے گوشت بھون کر نوش کیا۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہاں ایسی سردی تھی کہ میرا سر بھی بالکل شل ہو گیا تھا۔ بارے جب صبح ہوئی تو آدمیوں نے ایک اور پہاڑ کا پتہ دے کر کہا وہاں آبادی ہے۔ کچھ بلوچ وہاں رہتے ہیں۔ وہاں جانا چاہیے۔ اسی طرف روانہ ہوئے اور دو دن میں وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ چند مکان ہیں اور ان مکانوں کے باہر چند وحشی بلوچ کہ گویا غول بیابانی سے وہی مراد ہیں پہاڑ کے دامن میں بیٹھے ہیں۔ حضرت بادشاہ کے ساتھ قریباً تیس آدمی تھے۔ بلوچوں نے جب ان آدمیوں کو آتے دیکھا تو سب جمع ہو کر ان کی طرف بڑھے۔ حضرت بادشاہ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ جب ان بلوچوں نے دور سے آپ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر ہم انہیں پکڑ کر مرزا عسکری کے پاس لے جائیں تو وہ خود ان کے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ ہمیں دے گا بلکہ کچھ اور انعام بھی لے گا۔ حسن علی ایشک کی بیوی بلوچ تھیں اس لیے بلوچوں کی زبان سمجھتی تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ یہ بیابانی غول دل میں بدی رکھتے ہیں جب صبح کے وقت حضرت بادشاہ نے وہاں سے روانگی کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا سردار بلوچی یہاں موجود نہیں وہ آجائے تو پھر آپ جاسکتے ہیں۔ روانگی کے لیے وقت بھی موزوں نہیں

رہا تھا ساری رات بہت احتیاط سے وہیں بسر کی ۔ رات کا ایک حصہ گزرا تھا جب وہ بلوچ سردار آپ کے حضور میں آیا اور کہا کہ مرزا کامراں اور مرزا عسکری کے فرمان ہمارے پاس آئے ہیں ۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ہم سنتے ہیں کہ حضرت بادشاہ تمہارے ہاں تشریف رکھتے ہیں ۔ اگر وہاں ہوں تو ہرگز ہرگز انھیں وہاں سے جانے نہ دینا بلکہ گرفتار کر کے ہمارے پاس لے آنا ۔ ان کا مال واسباب اور گھوڑے تم لے لو اور بادشاہ کو قندھار پہنچا دو ۔ پہلے جب میں نے آپ کو ابھی دیکھا نہیں تھا تو میرے دل میں آپ کے خلاف برائی تھی مگر اب جب میں آپ کے دیدار سے مشرف ہوا تو میری جان اور میرا خاندان ، میرے پانچ چھ بیٹے ہیں یہ سب آپ کے سر کے صدقے بلکہ آپ کے بالوں کے ایک ایک تار پر نثار کرتا ہوں ۔ آپ جہاں جانا چاہیں بلا روک ٹوک جائیں ۔ خدا آپ کا محافظ ہے مرزا عسکری کا جو جی چاہے مجھ سے کرے ۔ آپ نے ایک پارۂ لعل و مروارید اور بعض اور چیزیں اس بلوچ سردار کو عنایت کیں اور دوسرے دن صبح قلعۂ حاجی بابا کی جانب تشریف لے گئے ۔

دو دن کے بعد وہاں پہنچے ۔ یہ قلعہ گرم سیر کی ولایت میں ہے اور دریا کے کنارے واقع ہے کچھ سیّد جو وہاں آباد تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میزبانی کے فرائض بجالائے ۔ دوسرے دن صبح خواجہ علاء الدین محمود مرزا عسکری کے پاس سے بھاگ کر آ گیا ۔ اور گھوڑے اور خچر اور شامیانے وغیرہ جو اس کے پاس تھے لاکر حضرت بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیے ۔ اور اس سے آپ کی تسلی ہوئی ۔

دوسرے دن محمد خاں کوکی بھی تیس چالیس سواروں کے ساتھ آ گیا ۔ اور ایک قطار اشتر پیش کیے ۔ آخر جب حضرت بادشاہ نے دیکھا کہ بھائی دشمن ہو گئے اور بہت سے امرا آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں تو اس لاچاری کی حالت میں آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ خدائے مسبب الاسباب پر توکل کر کے خراسان کا قصد کر لیں ۔ بہت سی منزلیں اور مرحلے طے کرنے کے بعد خراسان کے نواح میں پہنچے ۔ جب باب بلند پہنچے تو شاہ طہماسپ کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی ۔ وہ یہ سن کر حیرت میں رہ گیا کہ غدار اور کج رفتار فلک کی گردش نے ہمایوں بادشاہ کی یہ حالت کر دی اور وہ اس بے سروسامانی سے خدا کی حفاظت میں یہاں پہنچے ۔

شاہ طہماسپ نے اپنے سب ہالی موالی ، اشراف و اکابر ، وضیع و شریف ، کبیر و صغیر کو حضرت بادشاہ کے استقبال کے لیے بھیجا ۔ یہ سب باب بلند تک استقبال کے لیے آئے ۔ بہرام مرزا ، القاس مرزا ۔ سام مرزا ۔ جو تینوں شاہ طہماسپ کے بھائی تھے وہ بھی آئے ۔ اور حضرت بادشاہ سے

گلے ملے اور بہت اعزاز و اکرام سے آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جب نزدیک پہنچے تو شاہ کو خبر کی۔ وہ خود سوار ہو کر آپ کے استقبال کو آیا۔ دونوں بادشاہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ان دونوں عالی مقام بادشاہوں میں ایسی آشنائی اور دوستی اور یگانگت قائم ہو گئی کہ گویا ایک پوست دو مغز ہیں اور ایسا اخلاص اور اتحاد ہو گیا کہ جتنے دن حضرت بادشاہ وہاں تشریف فرما رہے۔ اکثر شاہ طہماسپ آپ کے پاس آتے تھے اور جس دن شاہ نہیں آتے تھے تو حضرت بادشاہ ان کے ہاں جاتے تھے۔

خراسان میں قیام کے دوران میں شاہ طہماسپ نے وہاں کے ہر ایک باغ اور بوستان اور سلطان حسین مرزا کی بنائی ہوئی عالیشان عمارات اور پرانے زمانے کی شاندار عمارتوں وغیرہ کی حضرت بادشاہ کو سیر کرائی، اور جب عراق میں تھے تو آٹھ مرتبہ شکار کے لیے گئے اور جب شکار کو جاتے تو حضرت بادشاہ کو ضرور ساتھ لے جاتے۔ حمیدہ بانو بیگم کجاوہ یا پالکی میں بیٹھ کر دور سے تماشہ دیکھتی رہتی تھیں اور شاہ کی بہن شہزادہ سلطانم گھوڑے پر سوار ہو کر شاہ کے پیچھے کھڑی رہتیں۔ حضرت بادشاہ کہتے تھے کہ شکار میں ایک عورت گھوڑے پر سوار ہمارے ساتھ تھی۔ اس کے گھوڑے کی لگام ایک سفید ریش آدمی پکڑے ہوئے تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ شاہ کی بہن شہزادہ سلطانم ہیں۔ غرض شاہ طہماسپ حضرت بادشاہ سے بہت مہربانی اور مروت سے پیش آتے رہے اور حمیدہ بانو بیگم سے مادرانہ اور خواہرانہ شفقت اور غم خواری کے لیے اپنی بہن کو مقرر کیا۔

ایک دن شہزادہ سلطانم نے حمیدہ بانو بیگم کی دعوت کی۔ شاہ نے اپنی بہن سے کہا کہ اگر دعوت کر رہی ہو تو شہر کے باہر کیوں نہیں کرتیں۔ چنانچہ شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر خیمہ اور خرگاہ اور بارگاہ ایک پُر فضا میدان میں نصب کیے گئے اور چتر اور طاق بھی کھڑے کیے۔ خراسان اور ان جگہوں میں سراپردہ استعمال تو ہوتا ہے مگر پیچھے کی طرف نہیں لگایا جاتا۔ حضرت بادشاہ نے ہندوستان کے دستور کے مطابق چاروں طرف سراپردہ لگوایا۔ شاہ کے آدمیوں نے خرگاہ اور بارگاہ چتر اور طاق کھڑے کر کے ان کے گرداگرد رنگ برنگ کی چلمنیں لٹکا دیں۔ اس دعوت میں شاہ کے سب رشتہ دار۔ آپ کی پھوپھی۔ بہنیں۔ گھر کی عورتیں اور خانان اور سلطانان اور امرا کی بیویاں شامل ہوئیں۔ اس طرح قریباً ایک ہزار عورتیں موجود تھیں جو سب کی سب زیب و زینت سے آراستہ تھیں۔

اس دن شاہ کی پھوپھی نے حمیدہ بانو بیگم سے پوچھا کہ کیا ہندوستان میں بھی ایسے ہی چراغ طاق ہوتے ہیں۔ بیگم نے جواب میں کہا کہ خراسان کو دو دانگ کہتے ہیں اور ہندوستان چار دانگ کہلاتا ہے۔ جو چیز دو دانگ میں موجود ہو وہ چار دانگ میں کیوں نہ ہوگی۔ شاہ کی بہن شہزادہ سلطانم نے بھی اپنی پھوپھی کی بات کے جواب میں حمیدہ بانو بیگم کی تائید کی اور کہا بھلا کہاں دو دانگ اور کہاں چار دانگ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں چار دانگ میں اور بھی زیادہ اچھی ہوتی ہوں گی۔ غرض سارا دن خوب چہل پہل میں گزرا۔ کھانے کے وقت امرا کی بیویوں نے کھانا کھلانے کی خدمت سرانجام دی۔ اور شاہ کے گھر کی عورتوں نے شہزادہ سلطانم کے آگے کھانا لاکر رکھا۔ قسم قسم کے قیمتی کپڑے حمیدہ بانو بیگم کو پیش کیے اور میزبانی کے فرائض پورے طور پر ادا کیے۔ خود شاہ طہماسپ عشا کی نماز تک حضرت بادشاہ کے مکان میں رہے۔ اس کے بعد جب سنا کہ حمیدہ بانو بیگم دعوت سے واپس آگئی ہیں تو آپ حضرت بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر اپنے مکان میں چلے گئے۔ یہاں تک آپ حضرت بادشاہ کا لحاظ اور خاطر جوئی کرتے تھے۔

ان دنوں میں روشن کوکہ نے باوجود سابقہ وفاداری اور خدمات کے اس اجنبی ملک اور خطرناک حالات میں بے وفائی کی۔ حضرت بادشاہ کے پاس ایک تھیلی میں چند بیش قیمت لعل تھے۔ ان کی سوائے خود آپ کے یا حمیدہ بانو بیگم کے کسی کو خبر نہ تھی۔ اگر آپ کہیں باہر جاتے تھے تو یہ تھیلی حمیدہ بانو بیگم کے سپرد کر جاتے تھے۔ ایک دن بیگم سر دھونے کے لیے گئیں تو اس تھیلی کو ایک رومال میں لپیٹ کر بادشاہ کے پلنگ پر رکھ دیا۔ روشن کوکہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پانچ لعل چرا لیے۔ خواجہ غازی سے اس کی سازش تھی اور اس نے یہ لعل خواجہ غازی کے سپرد کر دیے اور دونوں اس بات کے منتظر تھے کہ کچھ عرصہ گزر جائے تو پھر انھیں اپنے صرف میں لائیں۔

حمیدہ بانو بیگم اپنا سر دھو کر نکلیں تو حضرت بادشاہ نے تھیلی اٹھا کر انھیں دے دی۔ بیگم ہاتھ کے اندازہ سے فوراً جان گئیں کہ تھیلی کچھ ہلکی ہوگئی ہے۔ آپ نے یہ بات حضرت بادشاہ سے کہی۔ انھوں نے کہا یہ کیا بات ہے؟ میرے اور تمہارے سوا کسی تیسرے کو اس کی خبر نہیں پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ آخر کس نے لیے۔ آپ بہت حیران ہوئے۔ بیگم نے اپنے بھائی خواجہ معظم [illegible] کہ اس طرح واقعہ ہوا ہے اگر اس وقت بھائی کا فرض نبھاؤ اور اس بات کی

تحقیق اور تفتیش اس طور پر کرو کہ شور نہ مچے تو مجھے شرمندگی سے بچالو گے۔ نہیں تو جب تک زندہ رہوں گی بادشاہ کے سامنے شرمندگی رہے گی۔

خواجہ معظم نے کہا ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ باوجود حضرت بادشاہ سے تقرب کے میں اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ ایک مریل سا ٹٹو بھی خرید لوں۔ بخلاف اس کے خواجہ غازی اور روشن کو کہ دونوں نے اپنے لیے اعلیٰ نسل کے گھوڑے خرید لیے ہیں گو ابھی ان گھوڑوں کی قیمت ادا نہیں کی مگر یہ سودا کسی توقع ہی میں کیا ہوگا۔ بیگم نے کہا بھائی یہ وقت مرا ردی ہے ضرور اس معاملہ کی تفتیش کرو۔ خواجہ معظم نے کہا ماہ چیچم تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا انشاءاللہ تعالےٰ امید ہے کہ حق حقدار کو مل جائے گا۔ وہاں سے آکر خواجہ معظم نے ان سوداگروں سے دریافت کیا کہ وہ گھوڑے تم نے کتنے میں فروخت کیے۔ قیمت کی ادائیگی کا وعدہ کب کا ہے اور اس روپے کے ادا کیے جانے کی کیا ضمانت دی گئی ہے؟ سوداگروں نے جواب دیا کہ ان دونوں آدمیوں نے ہمیں لعل دینے کا وعدہ کیا ہے اور ہم نے گھوڑے ان کے حوالے کر دیے ہیں

خواجہ معظم وہاں سے خواجہ غازی کے خادم کے پاس آئے اور پوچھا کہ خواجہ کا بقچہ، درباری لباس اور کپڑے کہاں رہتے ہیں۔ وہ یہ چیزیں کہاں رکھتا ہے۔ خادم نے جواب دیا ہمارے خواجہ کے پاس نہ کوئی بقچہ ہے اور نہ کپڑے۔ ان کے پاس ایک اونچی سی ٹوپی ہے۔ سوتے وقت کبھی اسے اپنے سر کے نیچے اور کبھی بغل میں رکھ لیتے ہیں۔ خواجہ معظم سمجھ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ لعل خواجہ غازی کے پاس ہیں اور وہ اس ٹوپی میں انھیں رکھتے ہیں۔ آکر حضرت بادشاہ کے پاس عرض کی کہ مجھے یہ سراغ ملا ہے کہ وہ لعل خواجہ غازی کی ٹوپی میں ہیں میں میں ایک ترکیب سے انہیں اس کے پاس سے اڑا لوں گا۔ اگر خواجہ غازی آپ کے پاس آکر میری کوئی شکایت کرے تو آپ مجھ پر خفا نہ ہوں۔ حضرت بادشاہ یہ سن کر مسکرانے لگے۔

اب خواجہ معظم نے خواجہ غازی سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ خواجہ غازی نے آکر بادشاہ سے شکایت کی کہ میں غریب آدمی ہوں مگر آخر کچھ عزت آبرو رکھتا ہوں یہ کیا ہے کہ اس اجنبی ملک میں خوردسال خواجہ معظم مجھ سے ہنسی کرتا ہے۔ اور میری توہین کرتا ہے۔ حضرت بادشاہ نے کہا اور کس سے وہ یہ باتیں نہیں کرتا؟ آخر کم عمر ہے کبھی اس کے دل میں کوئی شرارت آجاتی ہے اور وہ کوئی بے ادبی کر بیٹھتا ہے۔ تم اس کا کوئی خیال نہ کرو وہ بچہ ہی تو ہے۔

ایک دن خواجہ غازی آکر دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خواجہ معظم نے موقع پاکر دفعتاً

ٹوپی ان کے سر سے جھپٹ لی اور وہ بے نظیر لعل اس ٹوپی میں سے نکال کر حضرت بادشاہ اور حمیدہ بانو بیگم کے سامنے لاکر رکھ دیے۔ حضرت بادشاہ مسکرائے اور حمیدہ بانو بیگم بہت خوش ہوئیں اور خواجہ معظم کو بہت شاباشی دی۔ خواجہ غازی اور روشن کوکہ اپنی حرکت پر شرمندہ اور خفیف ہوکر شاہ طہماسپ کے پاس گئے اور بہت سی رازکی باتیں ان سے کہیں اور کچھ ایسے ذکر و افکار کیے کہ ان کا دل مکدر ہوگیا اور حضرت بادشاہ سے ان کا اخلاص اور اعتقاد پہلے کی طرح نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر آپ نے لعل اور جواہر جو آپ کے پاس تھے سب شاہ کے پاس بھیج دیے۔ شاہ نے آپ سے کہا کہ یہ خواجہ غازی اور روشن کوکہ کا قصور ہے کہ انھوں نے ہماری آپس کی دوستی کو بگاڑ دیا۔ ورنہ میں تو ہمیشہ آپ کو اپنا سمجھتا رہا۔ اس گفتگو کے بعد دونوں بادشاہوں میں صلح صفائی ہوگئی اور سب شبہات دور ہوگئے۔ اور خواجہ غازی اور روشن کوکہ اپنی غداری کی وجہ سے دونوں بادشاہوں کے سامنے مردود ہوئے اور شاہ نے انھیں حضرت بادشاہ کے سپرد کردیا۔

جو لعل انھوں نے کسی کسی کو دے دیے تھے وہ شاہ نے کسی نہ کسی ترکیب سے دوبارہ حاصل کرلیے اور ان دونوں کی بابت کہا کہ انھیں قید کردیا جائے۔ باقی جتنے دن حضرت بادشاہ عراق میں رہے بہت آرام اور اطمینان سے رہے۔ شاہ طہماسپ ہر طرح آپ کی خاطر خواہ کرتے تھے اور ہر روز کوئی نہ کوئی عجیب و غریب تحفہ آپ کے لیے بھیجتے تھے۔ آخرکار اپنے خانان، سلطانان اور امرا کو اپنے بیٹے کی سرکردگی میں حضرت بادشاہ کی مدد کے لیے ساتھ کیا اور بہت سا سامان حرب اور خرگاہ اور بارگاہ چتر اور طاق۔ کامدار شامیانے۔ ابریشم کے غالیچے اور کلابتوں کے کام کی مسندیں اور ہر قسم کا موزوں ساز و سامان اپنے شاہی توشک خانہ۔ خزانے۔ باورچی خانے اور رکاب خانہ سے آپ کے لیے مہیا کردیا۔ نیک ساعت دیکھ کر یہ دونوں عالی قدر بادشاہ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت بادشاہ نے قندھار کا رخ کیا۔ روانگی سے پہلے آپ نے خواجہ غازی اور روشن کوکہ کا قصور شاہ سے معاف کروایا اور خود بھی انھیں معاف کرکے اپنے ساتھ قندھار لے گئے۔

مرزا عسکری نے جب یہ سنا کہ حضرت بادشاہ خراسان سے مراجعت کرکے قندھار کی طرف آرہے ہیں تو انھوں نے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو مرزا کامراں کے پاس کابل بھجوادیا۔ مرزا کامراں نے آپ کو آکہ جانم یعنی ہماری پھوپھی خانزادہ بیگم کے سپرد کیا۔ جب آکہ جانم نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اس وقت آپ کی عمر ڈھائی سال کی تھی۔ آکہ جانم آپ سے بہت محبت کرتی تھیں

اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ بالکل میرے بھائی بابر بادشاہ کے ہاتھ پاؤں معلوم ہوتے ہیں پوری پوری مشابہت ہے۔

جب یہ تحقیق ہو گیا کہ حضرت بادشاہ قندھار آئے ہیں تو مرزا کامران نے خانزادہ بیگم کے پاس جاکر بہت گریہ وزاری کی اور بہت عجز و انکسار کا اظہار کر کے اصرار کیا کہ آپ خیر و سلامتی سے حضرت بادشاہ کے پاس قندھار جائیں اور ہماری صلح کروا دیں۔ خانزادہ بیگم کی کابل سے روانگی کے بعد مرزا کامران نے اکبر بادشاہ کو اپنی بیوی خانم کے سپرد کیا اور خود بہت سرعت سے قندھار چلے گئے۔

حضرت بادشاہ قندھار پہنچے اور چالیس دن تک مرزا کامران اور مرزا عسکری قندھار میں محصور رہے۔ آپ نے بیرم خاں کو بطور ایلچی مرزا کامران کے پاس بھیجا۔ مرزا عسکری بہت عاجزی اور انکساری سے اپنی تقصیر پر نادم ہو کر باہر آئے اور حضرت بادشاہ کے حضور میں آداب بجا لائے۔ اس کے بعد آپ نے قندھار پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد قندھار شاہ کے بیٹے کو دے دیا۔ مگر چند روز بعد ہی شاہ کا بیٹا بیمار ہو کر مر گیا۔ جب بیرم خاں آئے تو آپ نے قندھار ان کے سپرد کیا۔

حمیدہ بانو بیگم کو قندھار میں چھوڑ کر آپ مرزا کامران کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آکہ جانم خانزادہ بیگم بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب تہلچک کے مقام پر پہنچے تو آپ بیمار ہو گئیں۔ تین دن آپ کو بخار رہا اور ہر چند طبیبوں نے علاج کیا آپ کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چوتھے دن 951 ھ میں رحمتِ حق سے پیوستہ ہوئیں۔ اسی جگہ قبلچک میں آپ کو دفن کیا گیا مگر بعد میں وہاں سے لا کر حضرت بادشاہ بابام کے مقبرہ میں سپرد خاک کیا۔

مرزا کامران جتنے سال کابل میں رہے تھے کبھی جنگ کے لیے باہر نہیں نکلے تھے۔ اب جو آپ نے حضرت بادشاہ کے آنے کی خبر سنی تو آپ کو بھی تاخت کی ہوس پیدا ہوئی اور اس بہانہ سے ہزارہ کی طرف چلے گئے۔

مرزا ہندال جنھوں نے گوشہ درویشی اختیار کر لیا تھا ان تک بھی یہ خبر پہنچی کہ حضرت بادشاہ عراق و خراسان سے واپس آ گئے ہیں اور قندھار فتح کر لیا ہے۔ مرزا ہندال نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مرزا یادگار ناصر کو بلا کر کہا۔ حضرت بادشاہ نے قندھار فتح کر لیا ہے۔ مرزا کامران نے خانزادہ بیگم کو صلح کے لیے بھیجا تھا مگر آپ نے اس طرح کی صلح پسند نہیں کی اور بیرم خاں کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا۔ مگر مرزا کامران نے بیرم خاں کی بات نہیں مانی۔ اب حضرت بادشاہ قندھار بیرم خاں

کے سپرد کر کے کابل کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ آؤ ہم اور تم ایک دوسرے سے عہد و پیمان کر لیں اور کسی طرح حضرت بادشاہ کے پاس پہنچ جائیں۔ مرزا یادگار ناصر نے یہ تجویز پسند کی اور عہد و پیمان ہوگیا۔ مرزا ہندال نے کہا تم کابل سے بھاگ کر چلے جاؤ۔ جب مرزا کامران یہ سنیں گے تو ضرور مجھ سے کہیں گے کہ یادگار ناصر بھاگ گیا ہے۔ تم جاؤ اور دلاسا اور تسلی دے کر اسے واپس بلا لاؤ۔ میرے آنے تک تم آہستہ آہستہ جانا۔ جب میں آجاؤں تو پھر ہم مل کر جلدی جلدی حضرت بادشاہ کے پاس چلے جائیں گے۔ یہ قرارداد کر کے مرزا یادگار ناصر کابل سے بھاگ گئے۔ مرزا کامران کو خبر ہوئی تو وہ فوراً کابل واپس آگئے اور مرزا ہندال کو بلا کر کہا کہ تم جاؤ اور مرزا یادگار ناصر کو دم دلاسا دے کر لے آؤ۔ مرزا ہندال جھٹ روانہ ہوگئے اور جا کر مرزا یادگار ناصر کے ساتھ شامل ہوگئے پھر یہ دونوں جلدی جلدی منزلیں طے کر کے حضرت بادشاہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور آپ کو یہ مشورہ دیا کہ کابل کی طرف تکیۂ حمار کے راستہ سے بڑھیں۔

رمضان المبارک کی نو تاریخ کو 951ھ میں آپ نے تکیۂ حمار میں نزول اجلال فرمایا۔ اسی دن مرزا کامران کو آپ کی آمد کی خبر ہوئی۔ ان پر عجیب اضطراب طاری ہوگیا۔ جلدی جلدی اپنے خیمے باہر نکلوائے اور گذرگاہ کے سامنے مقیم ہوگئے۔ حضرت بادشاہ نے ۱۱۔ ماہ رمضان کو تیپہ کی وادی میں نزول اجلال فرمایا۔ مرزا کامران مقابلہ پر آئے اور جنگ کی ٹھن گئی۔ مگر جنگ سے پہلے ہی مرزا کامران کے سب امراء اور سپاہی بھاگ کر آگئے اور حضرت بادشاہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ باپوس جو مرزا کامران کے نامی امراء میں سے تھا وہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ بھاگ کر آگیا اور حضرت بادشاہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ مرزا کامران اکیلے اور تنہا رہ گئے۔ دیکھا کہ امراء میں سے پاس کوئی باقی نہیں رہا۔ باپوس کا مکان قریب تھا۔ اس کے در و دیوار کو گرا کر ویران کیا اور آہستہ آہستہ باغ نوروزی اور گل رخ بیگم کے مقبرہ کے پاس سے گذر کر اور اپنے بارہ ہزار سواروں کو رخصت کر کے اپنی راہ لی۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو بابا دشتی کا رخ کیا۔ ایک تالاب کے قریب پہنچ کر رک کے اور دوستی کوکہ اور جوکی خاں کو بھیجا کہ میری بڑی لڑکی حبیبہ بیگم اور میرے لڑکے ابراہیم سلطان مرزا اور خضر خاں کی بھتیجی ہزارہ بیگم، حرم بیگم کی بہن ماہ بیگم۔ حاجی بیگم کی والدہ مہر افروز بیگم اور باقی کوکہ، ان سب کو یہاں لے آؤ۔ ان سب کو لے کر مرزا کامران ٹھٹھہ اور بھکر کی طرف روانہ ہوگئے۔

خضر خاں کی ولایت میں پہنچ کر جو بھکر کے راستہ میں واقع ہے حبیبہ بیگم کا آتی سلطان

سے نکاح کر دیا اور خود بھکر اور ٹھٹھہ کا رخ کیا۔

بارہ رمضان المبارک کی رات کی پانچ گھڑیاں گزر چکی تھیں جب حضرت بادشاہ نے بالاحصار میں خیر و سلامتی اور اقبال مندی سے نزول اجلال فرمایا۔ مرزا کامراں کے آدمی جو آپ کی ملازمت میں آ گئے تھے۔ خوشی کے نقارے بجاتے ہوئے کابل میں داخل ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی مہینے کی بارہویں تاریخ کو حضرت والدہ دلدار بیگم، گل چہرہ بیگم اور یہ ناچیز آپ کے حضور میں آکر آداب بجالائے۔ پانچ سال ہم لوگ آپ سے جدا اور آپ کی زیارت سے محروم رہے تھے اب اس دوری اور مجبوری کی سختی سے نجات حاصل کر کے ہم اس ولی نعمت کی دولت وصال سے مالامال ہوئے۔ آپ کا دیکھنا تھا کہ غمزدہ دل کو تسکین ہوئی، اور دھندلی آنکھ میں نئی روشنی سمائی۔ خوشی سے بار بار ہم سجدات شکر بجالاتے تھے۔

بہت سے جلسے اور دعوتیں ہوئیں جن میں ساری رات جاگتے گزرتی تھی اور برابر گانا بجانا ہوتا رہتا تھا۔ بہت سے مزے مزے کے کھیل تماشے ہوئے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ ہر ایک کھلاڑی کو بیس تاش کے پتے دیے اور بیس شاہ رخی سکے جو ہارتا تھا وہ اپنے سکے جیتنے والے کو دے دیتا تھا۔ بیس شاہ رخی سکے وزن میں پانچ مثقال کے برابر ہوتے ہیں۔ جتنے کھلاڑی زیادہ ہوں اتنا ہی جیتنے والا فائدہ میں رہتا تھا کیونکہ باقی سب کے سکے اس کے حصہ میں آجاتے تھے۔

جو آدمی چوسہ اور بھکر اور قنوج اور اس بہل میں حضرت بادشاہ کی خدمت گزاری میں قتل یا زخمی ہوئے تھے ان کی بیواؤں اور یتیم بچوں اور اہل و عیال کو وظیفہ اور مراتب، زمینیں اور خدمتگار عنایت فرمائے اور آپ کے ایام دولت میں سپاہ اور رعایا کو بہت آسودگی اور فارغ البالی میسر ہوئی۔ سب لوگ بہت بے فکری سے بسر اوقات کرتے تھے اور دل و جان سے آپ کی خیر و سلامتی اور دوامی کی دعائیں مانگتے تھے۔

چند دن کے بعد آپ نے کچھ آدمیوں کو بھیجا کہ جاکر حمیدہ بانو بیگم کو قندھار سے لے آئیں۔ جب وہ آگئیں تو آپ نے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی ختنہ کی شادی کی اور اس موقع پر دعوت کا سامان کیا، اور نوروز کے بعد سترہ دن تک جشن منایا۔ سب نے سبز پوشاک پہن لی۔ آپ نے فرمایا کہ تیس چالیس لڑکیاں سبز لباس پہن کر باہر پہاڑیوں پر نکلیں۔ نوروز کے دن ہفت داوراں کی پہاڑی پر گئے اور بہت سا وقت ہنسی خوشی میں گزارا۔ جب محمد اکبر بادشاہ کے ختنے ہوئے اس وقت آپ پانچ سال کے تھے۔ بڑے دیوان خانہ میں اس موقع پر دعوت دی گئی تھی۔ تمام بازاروں

کی آرائش کی گئی۔ مرزا ہندال اور مرزا یادگار ناصر امراء اور شہزادوں نے اپنے مکانوں کو خوب آراستہ کیا، اور بیگہ بیگم کے باغ میں بیگمات وغیرہ نے عجیب وغریب آرائش کی تھی۔ سب مرزایان اور امرا نے اسی دیوان خانہ کے باغ میں اپنے تحائف پیش کیے۔ بہت سی پُر تکلف دعوتیں ہوئیں اور حضرت بادشاہ نے آدمیوں کو بیش قیمت خلعتیں اور سروپا عنایت فرمائے۔ غرض عام رعایا، علما، صلحا، فقرا، غربا، شریف ووضیع، صغیر وکبیر دن رات عیش وعشرت سے بسر کرنے لگے۔

اب حضرت بادشاہ قلعۂ ظفر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ قلعہ مرزا سلیمان کے قبضہ میں تھا۔ وہ جنگ کرنے کے لیے نکلے مگر مقاومت کی تاب نہ لا سکے اور بھاگتے ہی بن پڑی۔ حضرت بادشاہ خیر وسلامتی سے قلعہ میں داخل ہوئے اور آپ نے کشم میں قیام کیا۔

ان دنوں آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ دوسرے دن جب آپ کی طبیعت ذرا بحال ہوئی اور اپنے ہوش میں آئے تو منعم خاں کے بھائی فضائل بیگ کو کابل بھیجا کہ جاکر وہاں کے آدمیوں کو تسلی اور تشفی کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی اس طرح دل جوئی کرنا کہ ان کے دل میں ذرا بھی ملال باقی نہ رہے، اور ان سے کہنا۔ ؎

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

فضائل بیگ کے کابل روانہ ہونے کے دوسرے دن آپ بھی کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ کابل سے غلط خبر مرزا کامراں کے پاس بھکر پہنچی اور وہ فوراً یلغار کرتے ہوئے وہاں سے کابل روانہ ہو گئے۔ غزنی پہنچ کر زاہد بیگ کو قتل کیا اور پھر کابل کی طرف متوجہ ہوئے۔

صبح کا وقت تھا۔ کابل کے لوگ بے خبر بیٹھے تھے۔ شہر کے دروازے حسب معمول کھول دیے گئے تھے اور سقے اور گھسیارے وغیرہ باہر اندر آجا رہے تھے۔ انھیں عام آدمیوں کے ساتھ مرزا قلعہ کے اندر جا پہنچے اور محمد علی تغائی جو اس وقت حمام میں تھے انھیں آتے ہی قتل کر دیا۔ اور مُلّا عبدالخالق کے مدرسہ میں مقیم ہو گئے۔

جب حضرت بادشاہ قلعہ ظفر کی جانب تشریف لے گئے تھے تو نوکار کو حرم کے دروازہ پر مقرر کر گئے تھے۔ جب مرزا کامراں کابل میں آئے تو انھوں نے پوچھا کہ قلعہ کس کے سپرد ہے تو کسی نے کہہ دیا کہ نوکار کے۔ نوکار نے جب یہ سُنا تو اس نے جلدی سے عورتوں کے کپڑے پہن لیے اور بچکر باہر نکل گیا۔ اتنے میں مرزا کے آدمیوں نے قلعہ کے دربانوں کو گرفتار کر لیا اور انھیں اپنے آقا کے پاس لے گئے۔ مرزا نے کہا انھیں قید کر دو۔ اس کے بعد وہ خود قلعہ میں گئے اور اہل حرم

کا مال و اسباب اور بے شمار چیزیں لوٹ لیں اور برباد کیں اور ضبط کر لیں۔ بڑی بیگمات کو مرزا عسکری کے مکان میں رکھا اور اس مکان کا دروازہ اینٹ چونے اور گوبر سے بند کر دیا۔ مکان کی چار دیواری کے اوپر سے ان بیگمات کو کھانا پانی دیا جاتا تھا۔ خواجہ معظم کو مرزا یادگار ناصر کے مکان میں قید کر دیا۔ اور جس محل میں حضرت بادشاہ کی بیویاں اور بیگمات رہتی تھیں اس میں اپنے بال بچوں کو رکھا۔ وہ لوگ جو بھاگ کر حضرت بادشاہ سے جا ملے تھے ان کے اہل و عیال سے مرزا کامراں نے بہت بُرا سلوک کیا۔ ان سب کے گھر لوٹ کر برباد کر دیے اور ان کے بال بچوں کو کسی کسی کے حوالے کر دیا۔ جب حضرت بادشاہ نے سُنا کہ مرزا کامراں نے بکھرے آ کر یہ گُل کھلائے ہیں تو آپ دوبارہ قلعہ ظفر اور اندراب کو چھوڑ کر کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ قلعہ ظفر مرزا سلیمان کو عنایت کر گئے۔

جب حضرت بادشاہ کابل کے قریب پہنچے تو مرزا کامراں نے میری والدہ کو اور مجھے اپنے پاس بلوایا۔ حضرت والدہ سے کہا کہ آپ قور بیگی کے مکان میں رہیں اور مجھ سے کہا یہ تمہارا اپنا گھر ہے تم یہیں میرے پاس رہو۔ میں نے کہا میں کیوں یہاں رہوں۔ جہاں میری والدہ رہیں گی میں بھی وہیں رہوں گی۔ پھر مرزا کامراں نے کہا تم خضر خواجہ کو خط لکھو کہ وہ آ کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور خاطر جمع رکھو جس طرح مرزا عسکری اور مرزا ہندال میرے بھائی ہیں وہ بھی اسی طرح میرے بھائی ہیں اور یہ مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے جواب دیا کہ خضر خواجہ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا وہ میرا خط کیونکر پہچانیں گے اور میں نے کبھی خود انھیں خط نہیں لکھا بلکہ کسی بیٹے کی طرف سے کوئی اور لکھ دیتا ہے۔ آپ کا جو جی چاہے انھیں خود لکھ کر بھیج دیں۔ آخر مرزا کامراں نے مہدی سلطان اور شیر علی کو بھیجا کہ جا کر خان کو بُلا لاؤ۔ میں شروع سے ہی خان سے یہ کہہ چکی تھی کہ زنہار ہزار زنہار حضرت بادشاہ سے جدا ہونے کا خیال دل میں نہ لانا بارے خدا کا شکر ہے کہ جو میں نے کہا تھا خان نے اس سے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت بادشاہ کو بھی خبر ہوئی کہ مہدی سلطان اور شیر علی کو مرزا کامراں نے خضر خواجہ کو لانے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے بھی مرزا حاجی کے والد قنبر بیگ کو خضر خواجہ خاں کے پاس بھیج دیا اور انھیں بلایا۔ ان دنوں خضر خواجہ خاں اپنی جاگیر میں مقیم تھے۔ حضرت بادشاہ نے کہلا کر بھیجا تھا کہ دیکھو ہرگز مرزا کامراں کے پاس نہ جانا بلکہ یہاں ہمارے پاس آ جاؤ۔ چنانچہ خضر خواجہ خاں یہ خبر سُن کر اور یہ نیک انجام پیغام پا کر فوراً اس درگاہ فلک بارگاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور قفا بین کی پہاڑی پر حضرت بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے۔

آخر جب حضرت بادشاہ منار کی پہاڑی سے گزر کر آگے بڑھے تو مرزا کامراں نے بھی

اپنے لشکر کو آراستہ پیراستہ کیا اور قیروبہ کے بلب شیر افگن کی سرکردگی میں جنگ کے لیے آگے روانہ کیا۔ ہم قلعہ کے اوپر سے یہ دیکھ رہے تھے کہ شیر افگن نقاروں کی آواز کے ساتھ بابا دشتی سے گزر کر جنگ کے لیے آگے بڑھا۔ ہم دل میں کہہ رہے تھے خدا نہ کرے کہ تو جاکر حضرت بادشاہ کا مقابلہ کرسکے اور ہم سب رونے لگے۔

جب شیر افگن دیہہ افغان کے پاس پہنچا تو دونوں فوجوں کے قراول آمنے سامنے ہوئے۔ قراولوں کے روبرو ہوتے ہی حضرت بادشاہ کے آدمیوں نے مرزا کامراں کے آدمیوں کو بھگا دیا۔ اور غنیم کے بہت سے آدمی گرفتار کرکے حضرت بادشاہ کے پاس لے آئے۔ آپ نے مغلوں کو حکم دیا اور انھوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ غرض مرزا کامراں کے اکثر آدمی جو جنگ کرنے نکلے تھے بادشاہی آدمیوں کی قید میں آگئے۔ حضرت بادشاہ نے ان میں سے بعض کو قتل کروادیا اور بعض کو قید کیا۔ انھیں میں جوکی خاں جو مرزا کامراں کے امرا میں سے تھا وہ بھی قید ہوا۔

حضرت بادشاہ اور آپ کی ہمراہی میں مرزا ہندال فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے کوکبہ اور دبدبہ سے بڑھ کر عقابین پہنچے جہاں حضرت بادشاہ نے اپنا خیمہ اور خرگاہ اور بارگاہ نصب کرکے قیام کیا اور مرزا ہندال کو بل مستان کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا اور سب امرا کو جگہ جگہ تعینات کیا۔

سات مہینے تک آپ کابل کا محاصرہ کیے رہے۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ مرزا کامراں حویلی کے دالان میں بیٹھے تھے تو کسی نے عقابین کی پہاڑی سے گولی چلائی۔ وہ جلدی سے بھاگ کر اوٹ میں ہوگئے۔ اس کے بعد سے انھوں نے یہ حکم دیا کہ اکبر بادشاہ کو توپوں کی زد کے سامنے رکھ دیا جائے۔ حضرت بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ توپیں بندوقیں نہ چلائی جائیں۔ اس کے بعد قلعہ پر کوئی گولہ باری نہیں کرتا تھا۔ مگر شہر کابل سے مرزا کامراں کے آدمی عقابین کی پہاڑی کی طرف حضرت بادشاہ کے لشکر میں گولے پھینکتے رہتے تھے۔ اس پر بادشاہی آدمیوں نے مرزا عسکری کو سامنے لاکر کھڑا کردیا۔ بادشاہی سپاہ بہت مستعدی دکھاتی تھی اور مرزا کامراں کی فوج بھی قلعہ سے نکل کر جنگ کرتی تھی اور طرفین کے آدمی قتل ہوتے رہتے تھے۔ اکثر حضرت بادشاہ کے آدمیوں کا پلّہ بھاری رہتا تھا اور مرزا کامراں کے آدمیوں کو قلعہ سے نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ حضرت بادشاہ بچوں، عورتوں، عام لوگوں اور اپنے گھر کے آدمیوں کے خیال سے توپ یا بندوق چلانے کی اجازت نہ دیتے تھے اور شہر کے اندر گھروں میں باہر سے پانی لے جانے کی آپ نے مخالفت نہیں کی۔

جب محاصرہ کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا تو بیگمات نے خواجہ دوست خاوند مدار کو حضرت بادشاہ کے پاس بھیج کر یہ کہوایا کہ خدا کے لیے مرزا کامراں جو درخواست کریں اسے آپ قبول کرلیں اور بندگانِ خدا کو تکلیف سے نجات دیں۔

حضرت بادشاہ نے باہر سے ان کے لیے نو بھیڑیں، سات شیشہ گلاب، ایک شیشہ آب لیموں، سات طرح کے نو نو کپڑے، اور چند سلی ہوئی صدریاں بھیجیں اور لکھا کہ تمہارے خیال سے میں قلعہ پر حملہ نہیں کرتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں نصیب اعدا مرزا کامراں تم سے کوئی بدسلوکی نہ کرے۔

ان ہی دنوں محاصرہ کے دوران میں جہاں سلطان بیگم نے دو سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت بادشاہ نے بیگمات کو لکھا کہ اگر ہم قلعہ پر حملہ کریں تو تھوڑی دیر کے لیے مرزا محمد اکبر کو کہیں چھپا دینا۔

غرض ہمیشہ لوگ شام کی نماز سے صبح تک قلعہ پر پہرہ دیتے تھے اور اکثر کچھ نہ کچھ شور و غوغا برپا رہتا تھا۔ جس رات مرزا کامراں قلعہ چھوڑ کر بھاگنے والے تھے اُس دن شام کی نماز کا وقت گزرا اور عشا کا وقت ہو گیا مگر خلاف معمول کوئی شور نہیں ہوا۔ قلعہ میں ایک تنگ زینہ تھا جس سے لوگ فصیل کے اوپر آتے جاتے تھے۔ اُس دن رات کو جب سب لوگ آرام سے سو رہے تھے کہ اتنے میں یکایک زینہ کی طرف سے زرہ بکتر اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ ہم نے ایک دوسرے سے کہا یہ کیسا شور ہے؟ ہم نے اٹھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ جلوخانہ کے سامنے قریباً ایک ہزار آدمیوں کا مجمع ہے۔ ہم سوچتے تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ اس اثنا میں مرزا کامراں اچانک قلعہ سے نکل گئے اور قراچہ خاں کے بیٹے بہادر خاں نے آکر خبر کی کہ مرزا کامراں بھاگ گئے ہیں۔ خواجہ معظم کو دیوار کے اوپر سے رتی لٹکا کر باہر نکالا گیا۔ جس مکان میں ہم لوگ بند تھے اس کے دروازہ کو ہمارے آدمیوں نے کھول دیا۔ بیگہ بیگم نے اصرار کیا کہ چلو اپنے اپنے مکانوں میں چلے جائیں۔ میں نے کہا ابھی ذرا انتظار کرنا چاہیے۔ گلی کی طرف سے جانا ہوگا۔ شاید حضرت بادشاہ خود ہی کسی کو ہمیں لانے کے لیے بھیجیں گے۔ اتنے میں عنبر ناظر آیا اور اس نے کہا کہ حضرت بادشاہ نے فرمایا ہے کہ جب تک میں آؤں تم لوگ اسی مکان میں رہو۔ باہر نہ نکلو۔ کچھ دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور مجھے اور دلدار بیگم کو گلے لگایا اور بیگہ بیگم اور حمیدہ بانو بیگم سے ملے اور کہا آؤ جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ خدا دوستوں کو ایسے مکان سے بچائے اور دشمنوں کو نصیب کرے۔ عنبر ناظر سے آپ نے کہا ایک طرف تم کھڑے ہو جاؤ اور دوسری طرف تردی بیگ

خاں اور بیگمات کو باہر لے آؤ۔ غرض سب اس مکان سے نکلے اور اس رات ہم سب حضرت بادشاہ کے پاس رہے اور ہنسی خوشی میں ساری رات گزاری۔ ماہ چوچک بیگم اور خانش آغا اور بعض اور بیگمات جوش کر کے ساتھ ساتھ حضرت بادشاہ کی ہمراہی میں آئی تھیں ان سب سے ہم گلے ملے جب حضرت بادشاہ بدخشاں میں تھے تو ماہ چوچک بیگم کے ہاں لڑکی ہوئی تھی۔ اسی رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ فخر النساء اور دولت بخت دونوں دروازہ سے اندر آئیں اور کچھ چیز لائیں اور اسے آپ کے آگے لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس خواب پر بہت غور کیا کہ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ آخر آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جو لڑکی ہوئی ہے اس کا نام ان دونوں عورتوں کے نام پر رکھا جائے مختصر طور پر ایک کے نام سے بخت اور دوسری کے نام سے نسا لے کر بخت نسا بیگم نام رکھ دیا۔

ماہ چوچک بیگم کی چار لڑکیاں تھیں اور دو لڑکے۔ بخت نسا بیگم، سکینہ بانو بیگم، آمنہ بانو بیگم محمد حکیم مرزا، فرخ فال مرزا، جب حضرت بادشاہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے تو ماہ چوچک بیگم کے ہاں بچہ ہونے والا تھا۔ کابل میں ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام فرخ فال رکھا گیا۔ تھوڑے دن کے بعد خانش آغا کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام آپ نے ابراہیم سلطان مرزا رکھا۔ ایران سے واپس آنے کے بعد ڈیڑھ سال تک آپ صحت اور سلامتی سے خوش و خرم کابل میں رہے۔

مرزا کامراں کابل سے بھاگ کر بدخشاں چلے گئے تھے اور اب طالقان میں مقیم تھے حضرت بادشاہ کا قیام اور تہ باغ میں تھا۔ ایک دن صبح جب آپ نماز کے لیے اُٹھے تو یہ سنا کہ مرزا کامراں کے اکثر امراء جو اب آپ کی ملازمت میں تھے بھاگ گئے ہیں۔ قراچہ خاں اور صاحب خاں، مبارز خاں اور بابوس اور بہت سے بدبخت راتوں رات بھاگ کر بدخشاں چلے گئے اور مرزا کامراں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت بادشاہ ساعت نیک میں بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے اور مرزا کامراں طالقان میں محصور ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا کامراں نے اطاعت اور فرماں برداری قبول کر لی اور حضرت بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے۔ آپ نے کولاب ان کو دے دیا اور قلعہ ظفر مرزا سلیمان کو، قندھار مرزا ہندال کو اور طالقان مرزا عسکری کو عنایت فرمایا۔

ایک دن آپ نے اپنا خیمہ کشم میں نصب کیا تھا اور سب بھائی ایک جگہ جمع تھے حضرت ہمایوں بادشاہ، مرزا کامراں، مرزا عسکری، مرزا ہندال اور مرزا سلیمان۔

آپ نے فرمایا ہاتھ دھونے کے لیے آفتابہ اور چلچی لاؤ۔ ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے۔

پہلے حضرت بادشاہ نے ہاتھ دھوئے اس کے بعد مرزا کامراں نے۔ مرزا سلیمان بہ لحاظ عمر مرزا عسکری اور مرزا ہندال سے بڑے تھے۔ اس لیے تعظیم کے خیال سے ان دونوں بھائیوں نے آفتابہ اور چلمچی مرزا سلیمان کے آگے رکھ دی۔ ہاتھ دھونے کے بعد مرزا سلیمان نے اپنی ناک چلمچی میں صاف کر دی۔ اس پر مرزا عسکری اور مرزا ہندال بہت خفا ہوئے اور کہا یہ کیا گنوار پن ہے۔ اول ہم لوگوں کی بھلا کیا مجال ہے کہ حضرت بادشاہ کے سامنے ہاتھ دھوئیں۔ آپ نے ہم پر یہ عنایت فرمائی اور حکم دیا تو پھر ہم خلاف حکم نہ کر سکے۔ مگر ان بیہودہ حرکات کی ادا کے کیا معنے؟ مرزا عسکری اور مرزا ہندال نے باہر جا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور پھر آ کر بیٹھے۔ مرزا سلیمان بہت شرمندہ ہوئے۔

غرض سب بھائیوں نے مل کر ایک دستر خوان پر کھانا کھایا۔ اس مجلس میں حضرت بادشاہ نے محمد ظہیر بابر کو یاد فرما کر اپنے بھائیوں سے کہا۔ لاہور میں گلبدن بیگم نے کہا تھا کہ اس کی یہ آرزو ہے کہ اپنے سب بھائیوں کو اکٹھا دیکھے۔ صبح سے جب ہم یہاں جمع ہیں اس کی یہ بات میرے دل میں آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالے ہماری یک جہتی کو حق سبحانہٗ اپنے حفظ و امان میں رکھے گا۔ خدا میرے دل کو یہ گوارا نہیں کہ کسی مسلمان کا بھی نقصان کروں۔ چہ جائیکہ اپنے بھائیوں کا زیاں چاہوں۔ خدا تم سب کو یہ توفیق دے کہ ہمیشہ ایک دوسرے کے موافق اور معاون رہو۔ سب لوگوں پر ایک عجیب انبساط اور خوشی رونما تھی۔ اکثر امراء اور ملازمین ایک دوسرے کے بھائی بند تھے مگر اپنے آقاؤں کی ناچاقی کی وجہ سے وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اب یہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو کر ہنسی خوشی میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔

بدخشاں سے واپس آ کر ڈیڑھ سال تک حضرت بادشاہ کابل میں رہے۔ اس کے بعد آپ نے بلخ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر آپ نے باغ دل کشا میں قیام فرمایا۔ آپ کی قیام گاہ باغ کے نیچے کے حصہ کے سامنے تھی اور قریب ہی کلی بیگ کی حویلی میں بیگمات ٹھہری تھیں۔

بیگمات نے کئی دفعہ حضرت بادشاہ سے کہا۔ آج کل دامن کوہ کی خوب بہار ہو گی۔ آپ نے فرمایا جب میں لشکر کے ساتھ شامل ہو کے جاؤں گا تو کوہ دامن کے راستے جاؤں گا۔ اس طرح تمہیں دامن کوہ کی سیر کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ظہر کی نماز کے وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو کر باغ دل کشا میں آئے۔ حویلی کلی بیگ قریب تھی اور وہاں سے باغ دکھائی دیتا تھا۔ آپ حویلی کے سامنے آ گئے اور بیگمات نے جب آپ کو دیکھا تو سب نے کھڑے ہو کر کورنش کی جو بیگمات

فخرالنسا اور افغانی آغاچہ اور سب سے ذرا آگے تھیں۔ باغ دل کشا کی پہاڑی کے دامن میں ایک نہر تھی۔ افغانی آغاچہ اس نہر میں سے نہ گزر سکیں اور گھوڑے پر سے گر پڑیں۔ اس حادثہ کی وجہ سے ایک گھنٹہ تک وہاں رُکنا پڑا۔ ایک گھنٹہ کے بعد پھر حضرت بادشاہ کی ہمراہی میں روانہ ہوئے ماہ چوچک بیگم اپنے گھوڑے پر بے خیال بیٹھی تھیں۔ اتنے میں ان کا گھوڑا ذرا بدکنے لگا۔ حضرت بادشاہ ان باتوں سے بہت پریشان ہوئے۔ باغ دل کشا ذرا بلندی پر تھا اور ابھی اس کے گرد دیواریں نہیں بنی تھیں۔ آپ کے چہرہ مبارک میں کلفت کے آثار ہویدا ہوئے۔ فرمایا کہ تم لوگ آگے جاؤ۔ میں ذرا افیون کھا کر اور اپنی طبیعت درست کر کے آؤں گا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق ہم لوگ ابھی تھوڑی دور رہی آگے گئے تھے کہ آپ پیچھے سے تشریف لے آئے۔ اب آپ کے چہرہ سے کلفت کے آثار بالکل غائب ہوگئے تھے اور آپ بہت ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ چاندنی رات تھی اور ہم خوب آپس میں باتیں کرتے ہوئے اور کہانیاں سناتے ہوئے چلے جارہے تھے اور خانش آغاچہ اور ظریف گریہ اور سروسہی اور شاہم آغا دھیمے دھیمے سرالاپ رہی تھیں۔

نعمان پہنچنے تک بادشاہی خیمے اور خرگاہ اور بارگاہ اور بیگمات کے خیمے ابھی تک نہیں آئے تھے۔ مگر خیمہ مہر آمیز آگیا تھا۔ حضرت بادشاہ کے ساتھ ہم سب اور حمیدہ بانو بیگم اسی خیمہ میں دوپہر سے تین گھڑی رات تک بیٹھے رہے اور پھر وہیں اس قبلۂ حقیقی کے سایہ عاطفت میں سوگئے۔ دوسرے دن صبح سویرے سے آپ نے کہا کہ چلو پہاڑ پر جاکر رواج کی سیر کریں۔ بیگمات کے گھوڑے گاؤں میں تھے۔ ان کے آتے آتے سیر کا وقت جاتا رہتا۔ آپ نے حکم دیا کہ باہر جس کسی کا گھوڑا ہو لے آؤ۔ جب گھوڑے آگئے تو آپ نے ہم سے کہا کہ سوار ہو جاؤ۔

بیگہ بیگم اور ماہ چوچک بیگم ابھی کپڑے پہن رہی تھیں۔ میں نے حضرت بادشاہ سے کہا حکم ہو تو میں جاکر انھیں لے آؤں، آپ نے کہا، ہاں جلدی سے جاکر انھیں لے آؤ۔ میں نے جاکر بیگہ بیگم اور ماہ چوچک۔ بیگم وغیرہ بیگمات سے کہا حضرت بادشاہ کے سر کی قسم آپ لوگوں نے بھی خوب انتظار کروایا۔ غرض ان سب کو میں جلدی جلدی جمع کر کے لا رہی تھی کہ حضرت بادشاہ سامنے سے آگئے اور فرمایا گل بدن اب تو جانے کا وقت نہیں رہا۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ہوا گرم ہو جائے گی۔ انشا اللہ اب ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جائیں گے۔

آپ بھی اسی خیمہ میں بیٹھ گئے۔ ظہر کی نماز کے بعد گھوڑوں کے آنے تک دو نمازوں کے بیچ کا وقت ہوگیا تو آپ روانہ ہوئے۔ پہاڑ کے دامن میں ہر جگہ رواج کے پھول پتے نکل آئے

تھے ۔ ہم پہاڑی وادیوں میں سیر کرتے پھرے۔ اتنے میں شام ہوگئی وہیں شامیانہ اور خیمہ کھڑا کر کے آرام سے بیٹھ گئے۔ اور اس رات سب نے مل کر خوب ہنسی خوشی میں وقت گزارا۔ اور سب اس قبلہ حقیقی کے قرب میں رہے۔ صبح نماز کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور وہاں سے بیگہ بیگم اور حمیدہ بانو بیگم ۔ ماہ چوچک بیگم اور مجھے اور سب بیگمات کو الگ الگ خط لکھ کر بھیجے کہ اپنے قصور پر نادم ہوکر تحریری معذرت کرو۔ میں انشاء اللہ قرضہ یا استالیف میں تم سے رخصت ہوکر لشکر کی طرف روانہ ہوجاؤں گا یا نہیں تو ابھی سے خیرباد کہتا ہوں ۔

آخر سب بیگمات نے عذر خواہی لکھ کر خدمت اقدس میں بھجوادی ۔ اس کے بعد حضرت بادشاہ اور بیگمات نعمان سے روانہ ہوکر بہزادی پہنچے اور رات کو سب اپنی اپنی قیام گاہ میں چلے گئے ۔ صبح کو اٹھ کر ناشتہ کیا اور پھر ظہر کی نماز کے وقت روانہ ہوکر قرضہ پہنچے ۔

حمیدہ بانو بیگم نے ہم سب کے ہاں نونو بھیڑیں بھیجیں ۔ ہمارے آنے سے ایک دن پہلے بی بی دولت بخت قرضہ میں آگئی تھیں اور انھوں نے بہت سی کھانے کی چیزیں دودھ، دہی، شیرہ اور شربت وغیرہ تیار کر رکھی تھیں ۔ رات آرام سے گزارنے کے بعد ہم لوگ قرضہ کی پہاڑی پر گئے وہاں ایک بہت اچھا آبشار ہے ۔ قرضہ سے حضرت بادشاہ استالیف گئے اور تین دن وہاں ٹھہرنے کے بعد 958 ھ میں بلخ کی طرف روانہ ہوئے ۔

پہاڑی درہ سے گزرنے کے بعد آپ نے مرزا کامران، مرزا سلیمان اور مرزا عسکری کو بلانے کے لیے فرمان بھیجے اور لکھا کہ ہم ازبکوں سے جنگ کرنے جارہے ہیں ۔ یہ یک جہتی اور برادرانہ امداد کا وقت ہے ۔ جلدی یہاں آجاؤ ۔ مرزا سلیمان اور مرزا عسکری آکر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے اور انھیں ساتھ لے کر آپ منزلیں طے کرتے ہوئے بلخ پہنچ گئے ۔

پیر محمد خاں بلخ میں تھا ۔ جس دن حضرت بادشاہ وہاں پہنچے اُسی دن پیر محمد خاں کے آدمی جنگ کے لیے شہر سے نکلے ۔ بادشاہی لشکر غالب آیا اور پیر محمد خاں کے آدمی شکست کھاکر شہر کے اندر چلے گئے ۔ اس صبح پیر محمد خاں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ چغتائی زوروں پر ہیں ۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا ۔ بہتر یہ ہے کہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں ۔ ادھر بادشاہی امراء میں سے کسی نے حضرت بادشاہ سے یہ عرض کی کہ لشکر گاہ میں غلاظت بہت ہوگئی ہے ۔ اگر یہاں سے اٹھا کر صحرا کی طرف خیمے لگائے جائیں تو اچھا ہے ۔ آپ نے فرمایا ہاں یہی کیا جائے ۔ جونہی کہ اسباب وغیرہ اٹھایا جانا شروع ہوا آدمیوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور بعض آدمیوں نے یہ منادی کردی کہ کوئی واپس نہ آئے ۔ خدا

کی کچھ یہی مرضی تھی کہ بغیر دشمن سے شکست کھائے اور بغیر کسی اور سبب کے بادشاہی سپاہی واپس روانہ ہو گئے۔ جب ازبکوں کو خبر ہوئی کہ بادشاہی لشکر واپس جارہا ہے تو وہ بہت متعجب ہوئے۔ افسروں نے اپنے آدمیوں کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر انھوں نے کچھ لحاظ نہ کیا اور کسی طرح روکے نہ رُکے اور سب کے سب منہ اٹھا کر چلے گئے۔ حضرت بادشاہ کچھ دیر ٹھیرے رہے مگر جب آپ نے دیکھا کہ کوئی بھی پاس نہیں رہا تو مجبوراً آپ بھی چل کھڑے ہوئے۔ مرزا عسکری اور مرزا ہندال کو یہ خبر نہ تھی کہ بادشاہی لشکر پراگندہ ہوگیا ہے۔ جب وہ آئے تو دیکھا کہ لشکر کی جائے قیام خالی پڑی ہے اور ازبک شہر سے باہر نکلنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ قندوز کی طرف چلے گئے۔ حضرت بادشاہ تھوڑی دور جا کر رُک گئے اور کہا کہ میرے بھائی اب تک نہیں آئے۔ میں کس طرح انھیں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ آپ کے گرد و پیش جو امرا تھے ان سے آپ نے کہا کہ کوئی جا کر مرزا عسکری اور مرزا ہندال کی خبر لے آؤ۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا اور نہ کوئی گیا۔ اس کے بعد قندوز سے مرزا ہندال کے آدمیوں کے ذریعہ خبر ملی۔ ان آدمیوں نے یہ لکھا کہ سُنا ہے کہ بادشاہی لشکر کو ہزیمت ہوئی اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ مرزا ہندال اور مرزا عسکری کہاں چلے گئے۔ حضرت بادشاہ یہ خط پڑھ کر بہت مضطرب اور پریشان ہوئے۔ خضر خواجہ خاں نے کہا اگر حکم ہو تو میں خبر لاؤں۔ حضرت بادشاہ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے۔ مجھے خدا سے یہ امید ہے کہ مرزا ہندال بخیریت قندوز پہنچ گئے ہوں گے۔ دو دن کے بعد خضر خواجہ مرزا ہندال کی خبر لائے کہ واقعی آپ خیر و عافیت سے قندوز پہنچ گئے ہیں حضرت بادشاہ یہ سُن کر خوش ہوئے

مرزا کامراں ان دنوں کولاب میں تھے۔ وہاں ترخان بیگہ نام کی ایک عورت تھی جو بہت چالاک اور مکار تھی۔ اس نے مرزا کامراں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حرم بیگم سے اظہار عشق کرو۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ مرزا کامراں اس ناقص العقل کی بات میں آ گئے اور ایک خط اور رومال بیگہ کے ہاتھ حرم بیگم کے پاس بھجوایا۔ اس عورت نے خط اور رومال لے جا کر حرم بیگم کے آگے رکھ دیا اور مرزا کامراں کا سلام کہا اور ان کی طرف سے بہت اشتیاق کا اظہار کیا۔ حرم بیگم نے جواب دیا ابھی یہ خط اور رومال اپنے پاس رہنے دو۔ جب مرزایان باہر سے آجائیں گے تو پھر یہ خط اور رومال لانا۔ بیگہ آغاچہ نے بہت گریہ و زاری کے ساتھ منت و سماجت کی اور کہا کہ یہ خط اور رومال تو مرزا کامراں نے آپ کو بھیجا ہے، وہ مدت سے تم پر فریفتہ ہیں اور تم ان سے اس قدر بے مروتی کرتی ہو۔ یہ سُن کر حرم بیگم بہت خفا ہوئیں اور مرزا سلیمان اور مرزا ابراہیم کو اسی وقت باہر سے بلایا اور اُن

سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کامران تم لوگوں کی بزدلی اور بے غیرتی کو خوب جان گیا ہے۔ جو اس نے مجھے اس قسم کا خط لکھا ہے۔ کیا میں اسی قابل ہوں کہ وہ مجھے اس طرح لکھے۔ مرزا کامران تمہارے بڑے بھائی ہیں اور میں ان کی بہو کی طرح ہوں۔ بھلا وہ مجھے ایسا خط بھیج سکتے ہیں۔ پکڑو اس جرولکے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالو تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو اور آیندہ کوئی کسی دوسرے کے اہل و عیال کو بُری نظر سے نہ دیکھے اور کوئی فاسد خیال دل میں نہ لائے۔ یہ بھی تو اپنی ماں کی جنی ہے بھلا اس کو ایسے پیغام سلام کرتے شرم نہ آئی اور پھر میرے خاوند اور بیٹے کا بھی اسے ڈر نہ ہوا۔

فوراً بیگی آغا بی بی کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے۔ اس کی قسمت میں اسی طرح خون ہونا تھا۔ مرزا سلیمان اور مرزا ابراہیم اس وجہ سے مرزا کامران سے بہت ناراض ہو گئے بلکہ ان سے دشمنی ہو گئی اور انھوں نے حضرت بادشاہ کو لکھا کہ مرزا کامران آپ سے بغاوت کا ارادہ کررہا ہے۔ اس کی مخالفت اس سے زیادہ اور کیا صاف ظاہر ہوگی کہ جب آپ نے بلخ کا قصد کیا تھا تو وہ آکر آپ کے ساتھ شامل نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد کولاب میں مرزا کامران ایسے ہراساں اور پریشان ہو گئے کہ انھیں سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ کہیں اِدھر اُدھر چلے جائیں انھوں نے اپنے بیٹے ابوالقاسم مرزا کو مرزا عسکری کے پاس بھیج دیا اور اپنی بیٹی عائشہ سلطان بیگم کو ساتھ لے کر طالقان کی سمت میں چلے گئے اور اپنی بیوی محترمہ خانم سے کہہ گئے کہ تم اپنی بیٹی کے ساتھ بعد میں میرے پاس آجانا۔ جہاں کہیں مجھے ٹھکانا ملا میں وہاں تمہیں بلا لوں گا۔ فی الحال تم خوست اور اندراب میں جاکر رہو۔ محترمہ خانم کی بعض خانان اوزبک سے قرابت تھی۔ ان ازبکوں میں ان کے کچھ رشتہ دار تھے۔ انھوں نے اپنے ہم قوموں کو یہ سمجھا دیا کہ اگر تم مال غنیمت چاہتے ہو تو مال و اسباب لونڈی غلام موجود ہیں انھیں لے لو اور بیگمات کو بلا روک ٹوک جانے دو۔ کیونکہ اگر عائشہ سلطان خانم کے بھتیجے نے کل کو یہ سنا تو وہ ضرور تم سے بہت ناراض ہوگا۔ غرض بہت سے حیلے حوالوں سے اور ایک حیرانی اور بے سروسامانی میں عائشہ سلطان خانم اوزبک لٹیروں سے چھٹکا پاکر خوست اور اندراب پہنچیں اور وہاں قیام کیا۔

جب مرزا کامران کو بلخ کی ناکام مہم کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے دل میں سوچا کہ حضرت بادشاہ اب پہلے کی طرح مجھ پر مہربان نہیں رہے وہ کولاب سے نکل کر اِدھر اُدھر تاک میں پھرنے لگے۔

حضرت بادشاہ کابل سے نکل کر قبچاق پہنچے تھے۔ وہاں ایک نشیب جگہ میں آپ نے قیام کیا تھا اور مرزا کامران کی نیت سے بے خبر تھے۔ موقع پاکر مرزا کامران پہاڑی کے اوپر سے اپنی فوج لے

کر آ گئے اور دفعتاً حضرت کے دشمنوں کے سر پر ٹوٹ پڑے خدا کی مرضی کچھ یہی تھی کہ ایک کور باطن،
گردن شکستہ ظالم ستمگار بدبخت نابکار نے حضرت بادشاہ کو زخمی کر دیا۔ آپ کے سر مبارک میں زخم
آیا اور آپ کی پیشانی اور آنکھیں خون آلودہ ہو گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت فردوس مکانی بابر
بادشاہ مغلوں سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہو گئے تھے۔ آپ کے سر پر جو تلوار کا وار ہوا تھا اس سے
آپ کی ٹوپی اور دستار نہیں کٹی تھی مگر آپ کے سر مبارک میں زخم آگیا تھا۔ حضرت ہمایوں بادشاہ
ہمیشہ اس پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے کہ ٹوپی اور دستار ثابت رہے اور سر زخمی ہو جائے۔
مگر اب آپ کے سر مبارک کو بھی بالکل ایسا ہی حادثہ پیش آیا۔

حضرت بادشاہ دشت قپچاق کی شکست کے بعد بدخشاں چلے گئے۔ یہاں مرزا سلیمان، مرزا
ہندال اور مرزا ابراہیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد آپ کابل کی طرف روانہ ہوئے
اور مذکورہ بالا مرزایان بھی آپ کی ہواخواہی میں یک دل اور یک جہت ہو کر آپ کے ساتھ تھے۔
اتنے میں مرزا کامران حملہ آور ہونے کے لیے قریب آپہنچے۔ حضرت بادشاہ نے کہا ہماری بہو حرم بیگم
سے جا کر کہو کہ جلدی جلدی اپنے لشکر کو آراستہ کر کے بدخشاں بھیج دیں۔ حرم بیگم نے ذرا سی دیر میں
کئی ہزار گھوڑے اور ہتھیار اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیے اور سب ساز و سامان کر کے خود اپنے
لشکر کے ہمراہ پہاڑی درہ تک آئیں۔ وہاں سے لشکر کو حضرت بادشاہ کے پاس آگے روانہ کیا
اور خود واپس چلی گئیں۔ یہ لشکر حضرت بادشاہ کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ چارکاں باقرا باغ میں مرزا کامران
سے جنگ ہوئی۔ بادشاہی لشکر غالب آیا۔ آپ کی فتح ہوئی اور مرزا کامران شکست کھا کر پہاڑی
دروں اور مضافات کی سمت میں بھاگ گئے۔

مرزا کامران کے داماد آق سلطان نے ان سے کہا۔ آپ ہمیشہ ہمایوں بادشاہ کی مخالفت پر
تلے رہتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ یہ مناسب نہیں۔ یا تو آپ حضرت بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری
اختیار کریں یا مجھے اجازت دیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں تاکہ لوگ مجھے آپ سے الگ سمجھیں۔ مرزا
کامران نے درشتی سے جواب دیا تو میرا اب یہ حال ہو گیا کہ یہ بھی میرا ناصح بنتا ہے۔ آق سلطان
نے خفا ہو کر کہا اگر اب بھی میں آپ کے پاس رہوں تو حلال بھی مجھ پر حرام ہے۔ آق سلطان اسی
وقت مرزا کامران سے جدا ہو کر بکھر چلے گئے اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے گئے مگر مرزا کامران
نے شاہ حسین مرزا کو لکھا کہ آق سلطان ہمیں ناراض کر کے چلا گیا ہے۔ اگر وہ وہاں آئے تو اسے
اپنی بیوی کی ہمراہی میں نہ جانے دینا، بلکہ بیوی کو اس سے جدا کر دینا اور اس سے کہنا کہ جہاں تیرا

جی چاہے چلا جا۔ اس کامران فرمان کے پہنچتے ہی شاہ حسین مرزا نے حبیبہ بیگم کو آق سلطان کے تصرف سے الگ کر دیا اور آق سلطان کو مکۂ معظمہ جانے کی اجازت دے دی۔ اسی چاکاران کی جنگ میں قراچہ خاں اور مرزا کامران کے اور بہت سے نامی آدمی قتل ہوئے۔

عائشہ سلطان بیگم اور دولت بخت آغاچہ بھاگ کر قندھار کی طرف گئیں۔ بادشاہی آدمیوں نے انھیں تکیہ حار میں گرفتار کر لیا اور حضرت بادشاہ کے پاس لے آئے۔ مرزا کامران افغانوں کے ساتھ جا ملے اور ان کے پاس رہنے لگے۔

حضرت بادشاہ کبھی کبھی نارنگیوں کا باغ دیکھنے جایا کرتے تھے۔ اس سال بھی حسب معمول پہاڑ کی وادیوں میں نارنگی کے باغوں کی سیر کرنے گئے۔ مرزا ہندال آپ کے ساتھ تھے۔ بیگمات میں سے بیگہ بیگم حمیدہ بانو بیگم۔ ماہ چوچک بیگم اور بعض اور عورتیں آپ کے ساتھ تھیں۔ میرا لڑکا سعادت یار ان دنوں بیمار تھا۔ اس لیے میں نہیں جا سکی۔ ایک دن پہاڑی دروں کے قریب حضرت بادشاہ شکار کھیل رہے تھے، اور مرزا ہندال آپ کے ہمراہ تھے۔ اچھا شکار کثرت سے تھا۔ جس طرف مرزا ہندال شکار کھیل رہے تھے حضرت بادشاہ بھی اسی طرف آ گئے۔ مرزا نے بہت سے جانوروں کا شکار کیا تھا اور چنگیز خانی دستور کے مطابق آپ نے یہ سب حضرت بادشاہ کو پیش کر دیا وہ چنگیز خاں کی یہی رسم ہے کہ چھوٹے اپنے بڑوں سے اس طرح پیش آتے ہیں۔ غرض اپنا سب شکار حضرت بادشاہ کو دے دینے کے بعد مرزا کے دل میں خیال آیا کہ بہنوں کا بھی تو حصہ ہونا چاہیے۔ کہیں وہ شکایت نہ کریں۔ کچھ اور شکار کر کے بہنوں کے لیے لے جاؤں۔ مرزا ہندال دوبارہ شکار کھیلنے میں مشغول ہو گئے۔ ایک جانور کا شکار کر کے آپ واپس آ رہے تھے۔ مرزا کامران نے ایک آدمی کو مقرر کیا تھا اور وہ آپ کے راستہ میں چھپا بیٹھا تھا۔ مرزا ہندال بالکل بے خبر تھے۔ اس شخص نے ایک تیر چلایا اور وہ تیر آپ کے کندھے میں آ کر لگا۔ آپ نے سوچا کہ کہیں میری بہنیں یا گھر کی عورتیں یہ سن کر بہت پریشان نہ ہو جائیں۔ اس لیے آپ نے اسی وقت یہ لکھ کر بھجوا دیا کہ ــ آسیب بلا بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ تم سب اطمینان رکھو۔ میں اچھی طرح ہوں۔ گرمی کا موسم ہو گیا تھا اس لیے حضرت بادشاہ واپس کابل آ گئے۔ مرزا ہندال کے جو تیر کا زخم لگا تھا وہ ایک سال میں اچھا ہوا۔

ایک سال بعد خبر آئی کہ مرزا کامران دوبارہ فوج جمع کر کے جنگ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ حضرت بادشاہ بھی سامانِ جنگ کر کے پہاڑی دروں کی طرف روانہ ہوئے۔ مرزا ہندال بھی آپ کے ساتھ گئے۔ خیر و سلامتی سے وہاں پہنچ کر آپ نے نزول اجلال فرمایا۔ جاسوس برابر یہ خبر لاتے ہے

تھے کہ مرزا کامران آج رات کو شب خون ماریں گے۔ مرزا ہندال نے حضرت بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ بلندی پر چلے جائیں اور برادرم جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو اپنے ساتھ رکھیں۔ بلند جگہ سے آدمی زیادہ اچھی طرح دیکھ بھال رکھ سکتے ہیں۔ اپنے آدمیوں کو بلا کر مرزا ہندال نے سب کی علاوہ علاوہ دل داری اور حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اپنی پہلی خدمات سب ایک طرف رکھو اور اس رات کی خدمت ایک طرف۔ اس رات کی خدمت کے عوض جو کچھ انعام مانگو گے انشاء اللہ تمہیں دیا جائے گا۔ آپ نے سب کو جگہ جگہ کھڑا کر دیا اور اپنے لیے زرہ بکتر اور جامہ ٹوپی اور خود طلب کیا۔ توشکچی نے کپڑوں کا بقچہ اٹھایا ہی تھا کہ اتنے میں ایک آدمی نے چھینک لی۔ توشکچی نے تھوڑی دیر کے لیے بقچہ پھر زمین پر رکھ دیا۔ مرزا ہندال نے تاکید کے لیے آدمی بھیجا۔ جب اس تاکید کے بعد توشکچی بقچہ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا اس قدر دیر کیوں ہوئی اس نے جواب دیا کہ میں نے بقچہ اٹھایا ہی تھا کہ ایک شخص نے چھینک لی۔ اس وجہ سے میں نے بقچہ پھر رکھ دیا اور یوں دیر ہو گئی۔ مرزا ہندال نے فرمایا۔ تم نے غلط کیا بلکہ یہ کہو کہ انشاء اللہ شہادت مبارک ہو۔ دوبارہ آپ نے کہا دوستو گواہ رہو کہ میں سب حرام چیزوں سے اور ناشائستہ افعال سے توبہ کرتا ہوں۔ حاضرین نے دعا مانگی اور مبارکباد دی۔ فرمایا نیمچہ، جامہ اور زرہ لاؤ۔ یہ پہن کر آپ خندق میں گئے اور سپاہیوں کو حوصلہ دلایا اور تسلی دی۔ اتنے میں آپ کے جلتچی نے آپ کی آواز سنی اور چلا کر فریاد کی کہ مجھ پر تلوار سے حملہ کر رہے ہیں۔ مرزا یہ آواز سنتے ہی گھوڑے سے اتر پڑے اور کہا یاروں مردانگی سے بعید ہے کہ ہمارا جلتچی دشمن کی تلوار سے ہلاک ہو جائے اور ہم اس کی مدد نہ کریں۔ آپ خود خندق میں اترے۔ سپاہیوں میں سے کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ گھوڑے سے اُتر کر آپ کے ساتھ جاتا۔ مرزا دو دفعہ خندق سے باہر نکلے اور دشمن پر حملہ کرتے رہے۔ اسی کشمکش میں آپ شہید ہوئے۔

نہیں معلوم کس ظالم بے رحم نے اس جوان کم آزار کو تیغ ظلم سے بے جان کر دیا۔ کاش اس تیغ بے دریغ کا وار میرے دل و دیدہ یا میرے بیٹے سعادت یار یا خضر خواجہ خاں پر ہوتا۔ اے افسوس ہزار افسوس ؎

اے دریغا اے دریغا اے دریغ
آفتابم شد نہاں در زیر میغ

غرض مرزا ہندال نے حضرت بادشاہ کے لیے اپنی جان قربان کی۔ میر بابا دوست مرزا کو اٹھا کر ان کے خیمہ میں لے آئے اور کسی کو خبر نہ کی۔ افسروں کو بلا کر دروازہ پر کھڑا کر دیا اور کہا کہ

کوئی اگر پوچھے تو کہہ دینا کہ مرزا بہت سخت زخمی ہوئے ہیں اور حضرت بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی اندر نہ جائے۔

اس کے بعد میرا یا دوست نے حضرت بادشاہ سے جاکر کہا کہ مرزا ہندال زخمی ہو گئے ہیں۔ آپ نے کہا میرا گھوڑا لاؤ میں جاکر انھیں دیکھوں گا۔

مگر میر عبدالحئی نے کہا ان کا زخم کاری ہے آپ کا جانا مناسب نہیں حضرت بادشاہ سمجھ گئے اور ہر چند آپ نے ضبط کیا نہ رک سکے اور رونے لگے۔

جوساہی خضر خواجہ خاں کی جاگیر تھی۔ حضرت بادشاہ نے خضر خواجہ خاں کو بلا کر فرمایا کہ مرزا ہندال کی لاش کو جوساہی لے جاکر دفن کرو۔ خضر خواجہ خاں نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں پکڑی اور نالہ و فریاد کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ حضرت بادشاہ نے یہ سن کر خضر خواجہ کو کہلا کر بھیجا کہ صبر کرنا چاہیے میرا دل تم سے بھی زیادہ غمزدہ ہے۔ لیکن اس ظالم خونخوار غنیم کی وجہ سے مجھے رونے کی مہلت نہیں۔ دشمن نزدیک ہے اور سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ بہت غم و افسوس، رنج و الم کے ساتھ جوساہی میں مرزا ہندال کو سپرد خاک کیا گیا۔

اگر مرزا کامراں ظالم، برادر کش، بیگانہ پرور اور بے رحم اس رات کو حملہ کرنے نہ آتا تو یہ بلا آسمان سے نازل نہ ہوتی۔ حضرت بادشاہ نے کابل خط لکھے اور جب آپ کی بہنوں کے پاس یہ خط پہنچے تو تمام کابل ماتم سرا بن گیا اور در و دیوار اس سعادت مند شہید کے حال پر گریہ و فغاں کرنے لگے۔ گل چہرہ بیگم قراخاں کے مکان میں گئی ہوئی تھیں۔ جب وہ واپس آئیں تو گویا قیامت بپا ہو گئی اور اس قدر رونے دھونے سے وہ بیمار اور جنونی ہو گئیں۔

اس دن کے بعد سے ہم نے پھر کبھی یہ نہیں سنا کہ مرزا کامراں کو اپنی کسی بات میں کامیابی نصیب ہوئی بلکہ روز بروز تنزل ہوتا گیا اور حالت ابتر ہوتی گئی اور آخر میں بالکل ہی برباد ہو گئی۔

یوں کہنا چاہیے کہ مرزا کامراں کی جان اور ان کی آنکھ کی بینائی مرزا ہندال تھے۔ اس شکست کے بعد مرزا کامراں بھاگ کر سیدھے شیر خاں کے بیٹے سلیم شاہ کے پاس پہنچے۔ سلیم شاہ نے انھیں ایک ہزار روپے دیے۔ مرزا کامراں نے اپنی کیفیت بیان کی اور مدد چاہی۔ سلیم شاہ نے مرزا کے سامنے کچھ نہیں کہا مگر بعد میں کہا کہ جو شخص اپنے بھائی ہندال کو قتل کر چکا ہو اس کی ہم کس طرح مدد کریں۔ ایسے آدمی کو نیست و نابود کر دینا ہی اچھا ہے۔

مرزا کامراں نے بھی سلیم شاہ کی یہ رائے کسی طرح سن لی اور بغیر اپنے [illegible] سے مشورہ کیے

ماتوں رات وہاں سے بھاگ جانے کی ٹھان لی۔ جب سلیم خاں کو مرزا کامراں کے بھاگ جانے کی خبر ہوئی تو اس نے مرزا کے آدمیوں کو قید کر دیا۔ مرزا کامراں بھیرہ اور خوش آب کے قریب پہنچ گئے مگر وہاں آدم گکھر نے بہت چالاکی اور چال بازی سے انھیں گرفتار کر لیا اور گرفتار کر کے حضرت بادشاہ کے پاس لے گیا۔ آخر یہ ہوا کہ سب خوانان، سلطانین، وضیع و شریف، صغیر و کبیر، سپاہی اور رعیت وغیرہ جو سب کے سب مرزا کامراں کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھے ان سب نے متفق ہو کر حضرت بادشاہ سے یہ عرض کی کہ حکومت اور بادشاہی میں رسم برادری نہیں نبھ سکتی۔ اگر آپ کو بھائی کی خاطر منظور ہے تو بادشاہی چھوڑ دیں اور اگر بادشاہ رہنا چاہتے ہیں تو ترک برادری کر دیں۔ یہ وہی مرزا کامراں ہے جس کی وجہ سے دشت تپچاق میں آپ کا سر مبارک کس بری طرح زخمی ہوا۔ اور یہ وہی ہے جو مکر اور فریب سے افغانوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور جس نے مرزا ہندال کو قتل کیا۔ بہت سے چغتائی اس کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ لوگوں کے بال بچے قید کی مصیبت جھیلتے رہے اور ان کی ناموس و عزت برباد ہوئی۔ اب کوئی چارہ نہیں کیونکہ آیندہ لوگوں کے اہل و عیال بند و عذاب کی تاب نہیں رکھتے اور لوگ (جو آپ کے دشمن ہیں) جہنم میں جائیں۔

ہماری جان و مال اہل و عیال سب آپ کے ایک بال کے صدقے ہوں۔ یہ آپ کا بھائی نہیں۔ یہ آپ کا دشمن ہے۔ قصہ مختصر سب نے یک زبان ہو کر یہ کہا کہ ؎

زخنہ گر ملک سرافگندہ بہ

حضرت بادشاہ نے جواب دیا۔ اگرچہ تمہاری یہ باتیں مجھے معقول معلوم ہوتی ہیں مگر میرا دل گوارا نہیں کرتا۔ اس پر سب نے بہت فریاد کی اور کہا کہ جو کچھ ہم لوگوں نے عرض کیا ہے وہ عین مصلحت ہے۔ حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ تم سب کی یہی خواہش ہے تو سب جمع ہو کر ایک محضر نامہ لکھ کر پیش کرو۔ دائیں بائیں سب طرف کے امرا نے جمع ہو کر تحریر پیش کر دی۔ اسی مصرع کے مطابق ؎ زخنہ گر ملک سرافگندہ بہ۔ حضرت بادشاہ مجبور ہو گئے۔

جب آپ رہتاس کے قریب پہنچے تو سید محمد کو حکم دیا کہ مرزا کامراں کی دونوں آنکھوں میں سلائی پھیر دو۔ اس نے اسی وقت جا کر اس حکم کی تعمیل کی۔

اس کے بعد حضرت بادشاہ ......

ضمیمہ

اصطلاحات و حل مشکلات

حضرت فردوس مکانی :- یعنی بابر بادشاہ جو وفات کے بعد اس لقب سے موسوم ہوئے اسی طرح ہمایوں بادشاہ انتقال کے بعد جنت آشیانی کہلاتے تھے۔

حضرت صاحب قرانی :- یعنی امیر تیمور۔ آپ اس لقب سے اس لیے موسوم تھے کہ آپ کی پیدائش کے وقت دو مبارک ستاروں زہرہ اور مشتری کا قران ہوا تھا یعنی اس وقت یہ دونوں سیارے ایک ہی برج آسمانی میں موجود تھے۔ امیر تیمور کے بعد شاہان تیموریہ میں شاہجہاں بادشاہ صاحب قران ثانی کہلائے۔

چپاں :- لمبی قطع کے لباس کے معنوں میں بھی یہ لفظ آتا ہے ممکن ہے کہ اردو لفظ چپکن اسی ترکی لفظ سے ماخوذ ہے۔

چاروق :- یا چاریق (ترکی) گنوار اور مسافروں کے پہننے کی مضبوط مگر بھدی جوتی۔

ایلیک لاریدہ جویاق :- ترکی زبان کے الفاظ ہیں جو تزک بابری سے لیے گئے ہیں یعنی ان کے ہاتھوں میں جو یاق یا ڈنڈے تھے غالباً بے سروسامانی کی حالت مراد ہے۔ اُردو میں ڈنڈے بجانا تقریباً اس کا مرادف ہے۔

قزاقیہا :- جمع قزاقی۔ ترکی زبان میں اس لفظ کے معنی حملہ یا تاخت کے ہیں۔ قزاق اور روسی کاسک اسی سے متعلق ہیں۔

مردم وصیل الکہ :- یعنی وہ لوگ جنھیں یہ علاقہ (الکہ) بطور جاگیر دیا گیا تھا۔ وصیل وصل یا وصول سے صفت کا صیغہ ہے۔ اسی طرح اس کے معنی ہوئے وہ شخص جسے کوئی چیز ملے یا جسے کوئی چیز دی جائے۔ بیورج نے لفظ الکہ کو اٹکہ یا اگہ پڑھا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے پہلے بھی صفحہ ۱ پر "الکہ" علاقہ کے معنوں میں آچکا ہے (الکہ ماورالنہر)

شنقار شد ند ۔ شنقار باز کی قسم کا ایک پرند ہے ۔ پرانے تاتاریوں کا یہ خیال تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح پرندہ بن جاتی ہے ۔ قدیم عربوں میں بھی یہ روایت تھی کہ ہامہ اور صدیٰ جو اُلّو کی قسم کے پرندے ہیں ان میں انسانی روح چلی جاتی ہے اور اگر کوئی شخص قتل ہو جائے اور اس کا انتقام نہ لیا جائے تو اس کی روح اُلّو بن کر رات کے وقت کریہہ آواز سے چلّاتی پھرتی ہے ۔

بعد از تولد فرزندان ۔ اس طرزِ بیان میں مصنّفہ کے نسوانی دماغ کی جھلک معلوم ہوتی ہے ۔ عورتوں کا اکثر یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ بچّوں کی پیدائش سے اور واقعات کا حساب کرتی ہیں ۔

پیش خانہ ۔ سفر میں ایک زائد خیمہ ساتھ رکھا جاتا تھا ۔ یہ خیمہ ایک منزل آگے بھیج دیا جاتا تھا تاکہ جب بادشاہ وہاں پہنچیں تو ان کی جائے قیام پہلے ہی سے آراستہ موجود ہو ۔ یہ خیمہ پیش خانہ کہلاتا تھا ۔

ولی نعمتان ۔ گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں ولی نعمتان کہلاتی تھیں ۔ یہ ولی نعمت کی جمع ہے اگرچہ یہ جمع قواعدِ صرف کی رو سے صحیح نہیں ۔ صحیح جمع اولیائے نعمت ہوگی ۔

سراپردہ ۔ خیمہ کے گرداگرد جو قناتیں لگائی جاتی ہیں انھیں سراپردہ کہتے ہیں ۔ بادشاہی خیمے بہت پُرتکلّف اور شاندار ہوتے تھے ۔ ہسپانوی سفیر کلاویجو نے جو امیر تیمور سے ملنے سمرقند گیا تھا ایک خیمہ کی کیفیت لکھی ہے جس کا بیان یہاں خالی از دلچسپی نہ ہوگا ۔ ہم جس سائبان کے نیچے بیٹھے ہیں اس کے قریب ہی ایک بہت بڑا اور بہت اونچا چورس وضع کا خیمہ نصب ہے ۔ اس کی اونچائی تین نیزوں کے برابر ہے اور اس کی لمبائی سو قدم سے کم نہ ہوگی ۔ خیمہ کی چھت گنبد کی طرح گول وضع کی ہے اور اسے بارہ لکڑی کے ستون تھامے ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک کی گولائی ایک آدمی کے سینہ کے برابر ہے ۔ نیلا ، سنہری اور کئی اور قسم کے رنگوں سے یہ ستون مزیّن ہیں ۔ خیمہ کے اندر کی دیواریں قرمزی ٹاپسٹری سے ڈھکی ہوئی ہیں جس میں قسم قسم کے خوبصورت نقش و نگار ہیں ۔ جابجا ریشمی اور زردوزی پردے آویزاں ہیں ۔ خیمہ کی چھت کی زیبائش بہت ہی دلفریب ہے ۔ اس کے چاروں کونوں پر چار عقاب بنے ہوئے ہیں جو اپنے پر سمیٹ کر بیٹھے نظر آتے ہیں ۔ خیمہ کی باہر کی دیواریں ریشمی کپڑے کی ہیں جس پر سفید اور کالی اور زرد دھاریاں ہیں ۔ ہر ایک کونے پر ایک بہت اونچا چوبی ستون نصب ہے جس کے سرے پر ایک چمکتا ہوا تانبے کا کرہ بنا ہوا ہے اور اس کرہ کے اوپر ایک خوبصورت ہلال ہے ۔ دور سے دیکھو تو یہ عظیم الشان خیمہ کوئی قلعہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی شان و شوکت انسان کو محوِ حیرت کر دیتی ہے ۔

باہر کی طرف خیمہ کے گرداگرد ایک کپڑے کی دیوار کھڑی ہے جیسے کسی شہر یا قلعہ کی دیوار ہوتی ہے۔ دیوار کا کپڑا ریشم کا ہے اور اس پر طرح طرح کے نقش و نگار ہیں۔ دیوار کے اوپر کی طرف کنگورے بنے ہوئے ہیں اور باہر اور اندر دونوں طرف سے اس دیوار کو زمین کے ساتھ رسیوں سے مضبوط کیا ہوا ہے۔ اس کپڑے کی چاردیواری کا ہر ایک رخ تین سو قدم ہے اور اونچائی میں وہ گھوڑے سوار کے سر تک پہنچتی ہے۔ اس میں جو دروازہ ہے وہ بہت بلند و بالا ہے اور اسے بند کر کے مقفل کیا جا سکتا ہے۔ یہ چار دیواری جو خیمہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے سراپردہ کہلاتی ہے۔ اس کے اندر کئی اور خیمے اور سائبان جگہ جگہ نصب ہیں۔

پاتر ۔ ہندی کا لفظ ہے۔ پتریا بھی اسی کی ایک شکل ہے۔ یہاں لونڈی کے معنی میں مستعمل ہے۔ آج کل گنواری زبان میں اکثر رنڈی یا ناچنے والی کو کہا جاتا ہے۔

چوکنڈی ۔ چھت پر کمرہ جس کے چاروں طرف دروازے ہوں۔ اسے طرفہ بھی کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں کشتی کے پچھلے حصہ کو بھی یہی کہتے ہیں جس میں اکثر کمرہ سا بنا ہوتا ہے۔

شکری دوز ۔ ترکی زبان میں یلدوز کے معنی ستارہ ہیں اور شکر زہرہ ستارہ کو کہتے ہیں۔ یورج کا خیال ہے کہ بجائے شکر (زہرہ) سکز (آٹھ) پڑھنا چاہیے۔ آٹھ ستاروں کو اہلِ ایران نامبارک تصور کرتے تھے۔

بزن طلاق ۔ مشہور اور عام قسم ہے۔ اب بھی اکثر پرانی وضع کے لوگ جب کوئی بڑی قسم کھانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "اگر میں نے ایسا کیا ہو یا کہا ہو تو میری بیوی کو طلاق" بلکہ ان کے نزدیک اس سے بڑی اور کوئی قسم نہیں۔ عبارت میں قرآن مجید کی قسم کے ساتھ اسی لیے اس کا ذکر کیا ہے۔

حبوبات ۔ (عربی) غلے اور اناج کی قسم سے چیزیں۔ حب دانہ۔ اناج۔ یہاں اناج غلہ پر ٹیکس سے مراد ہے۔

محافہ سہ رکیب ۔ محافہ یا محفہ عربی میں پالکی یا عماری کے لیے مستعمل ہے۔ سہ رکیب سے مراد یا تو ایسی عماری ہے جسے تین گھوڑے یا اونٹ اٹھاتے ہوں یا ممکن ہے کہ وہ جس میں تین آدمی بیٹھ سکیں۔

اسپان تپوچاق ۔ تپوچاق لفظ ترکی ہے۔ خوبصورت لمبی گردن والے تیز رفتار اصیل گھوڑے۔

دوقوقوز :۔ تاتاریوں میں یہ دستور تھا کہ تحفہ کے طور پر جو چیزیں دی جاتی تھیں وہ نو نو کی تعداد میں ہوتی تھیں۔ یعنی ہر ایک قسم کی چیز کے نو عدد ہوتے تھے۔ مثلاً نو گھوڑے، نو تلواریں، نو غلام وغیرہ۔ ترکی زبان میں توقوز کے معنی نو کے ہیں۔

خلیفہ بابام :۔ یعنی خواجہ نظام الدین علی برلاس جو بابر بادشاہ کے وزیر تھے۔ برلاس خاندان سے بابر کے بہت قوی تعلقات تھے۔

ملمپائے من درباغچہ مرافرود آوردہ بودند :۔ اس وقت گل بدن بیگم کی عمر پانچ چھ سال کی تھی۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح شروع سے ہی بچوں کو ادب آداب تمیز اور شائستگی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سقرلات :۔ یا اسقرلات (اطالوی زبان کا لفظ) ایک قسم کا اعلیٰ سرخ رنگ کا کپڑا جسے اس کے موجد کے نام پر اسکرلٹ بھی کہتے ہیں۔

تور خانہ :۔ ترکی زبان میں تور جالی یا جالی دار کپڑے کو کہتے ہیں۔ (تور بواو مجہول و ترکی جالی را گویند کہ بر محفہ سواری عرائس و بیگمات اندازند از غیاث اللغات) تورخانہ سے یہاں مراد ایسی نشست گاہ ہے جس کے چاروں طرف جالی کے پردے ہوں تاکہ مکھیوں اور مچھروں سے امن رہے۔

آفتابچی :۔ یعنی آفتابہ بردار۔

روند حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ :۔ لفظ روند مشتبہ ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح لفظ روزہ ہو۔ بہر حال اس سے مراد کسی قسم کا روزہ یا ریاضت ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف منسوب ہے۔

عمہ جیو :۔ عمّہ (عربی) کے معنی پھوپھی کے ہیں۔ جیو یا جی ہندی کا لفظ ہے جو تعظیم کے لیے یا پیار کے لیے ناموں کے ساتھ لگاتے ہیں۔ یہاں عمہ جیو سے مراد خانزادہ بیگم ہیں جو بابر بادشاہ کی بڑی بہن اور گل بدن بیگم کی پھوپھی تھیں۔ آپ کو آکا جانم بھی کہا جاتا تھا۔

جیجم :۔ یعنی میری والدہ دلدار بیگم۔ گل بدن بیگم اپنی والدہ کے لیے آجم کا لفظ بھی استعمال کرتی ہیں (جیجہ یا جیچہ + م = میری) جیچہ ترکی میں خالہ کو کہتے ہیں اور جیجہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے غالباً والدہ یا انّا یا اور بڑی بوڑھی عورتوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے (لہجہ عثمانی)

نینچہ :۔ نیز ترکی میں "اماں" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (بچوں کی زبان) ممکن ہے کہ نینچہ اس سے تصغیر بنائی گئی ہو۔ پیار کے لیے۔

مادران مارا :۔ گل بدن بیگم کی والدہ دلدار بیگم کے علاوہ اس کی سوتیلی مائیں یعنی ماہم بیگم اور

گل رخ بیگم بھی موجود تھیں۔

مغلان :- بے قاعدہ فوج کے آدمیوں سے مراد ہے۔

برات و ایام متبرکہ :- برات سے مراد شب برات ہے۔

یتیمی و بے سری خود :- اپنے باپ کی وفات کے وقت گل بدن بیگم کی عمر تقریباً آٹھ سال کی تھی۔ تین سال کی عمر میں آپ کو ماہم بیگم نے اپنی بیٹی بنالیا تھا۔ ماہم بیگم کو گل بدن بیگم جگہ جگہ اپنی کتاب میں آکام لکھتی ہیں لفظ آکام میں ادب اور پیار دونوں شامل ہیں۔

ببن و بایزید :- دو نامی افغان تھے جو لودی خاندان کی حمایت میں جنگ کر رہے تھے۔

یساول :- بمعنی چوبدار۔ ترکی لفظ ہے۔

یراق۔ یراق یلقان :- اینٹ۔ ایس بیورج نے اس عبارت میں یراق کا مفہوم سامان حرب یعنی ہتھیار وغیرہ سمجھا ہے اور یراق یلقان سے مراد ایک مغل افسر کے خاص ہتھیار لیے ہے۔ یلقان کو غالباً الغان کا مرادف سمجھا ہے۔ یہ مفہوم کچھ بہت صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ یراق یلقان سے مراد کوئی اس قسم کا سامان ہوگا جو اکثر زچہ خانہ اور اس کی متعلقہ تقریبات چھٹی وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔

خرگاہ دوختہ :- دوختہ کے لفظی معنی "سئے گئے" ہیں۔ لیکن یہاں مراد غالباً "تیار کیے گئے" سے ہے۔

آئینہ بندی :- بازاروں اور دکانوں کو یا مکان کو آئینے لگا کر سجانا۔ پرانے زمانہ میں خاص تقریبوں پر اس کا بہت دستور تھا بلکہ یوں بھی کسی مکان کی زینت اکثر آئینوں سے کی جاتی تھی اور ایسے مکان آئینہ خانہ (ہندی شیش محل) کہلاتے تھے۔

ادسقہ :- تاپستری سے مراد ہے یعنی ایک قسم کا کپڑا جس میں نقش و نگار ہوتے ہیں۔

خرگاہ و بارگاہ :- خیمہ کے دو حصے ہوتے تھے۔ خرگاہ اکثر پچھلا حصہ جس میں سونے وغیرہ کا انتظام ہوتا تھا اور بارگاہ وہ حصہ جس میں بادشاہ یا امراء اور لوگوں کو شرف باریابی دیتے تھے آگے کی طرف ہوتا تھا۔

کنت و سرکنت :- یعنی قنات اور اس کا حاشیہ۔

ماہ چیچہ۔ گل چیچہ :- پیار کے الفاظ ہیں۔

آکام :- یعنی ماہم بیگم۔ آکا لفظ آقا کی ترکی شکل ہے۔ آکا تعظیم کا لفظ ہے اور عورت اور مرد کے لیے یکساں استعمال ہو سکتا ہے۔

آیچم ۔ یعنی میری والدہ دلدار بیگم۔

نوکار ۔ یعنی نوکر بعنی شاگرد و ملازم۔

خواجہ کبیر ۔ خواجہ سرا جس کا نام کبیر تھا یا شاید خواجہ سرا سے مراد ہو سکتی ہے۔

تشویش شکم ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شکم کے امراض بہت عام تھے۔ ہمایوں نامہ میں متعدد اشخاص کی بیماری کے ضمن میں تشویش شکم یا درد شکم کا ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ الور مرزا۔ بابر بادشاہ۔ ماہم بیگم اسی مرض میں مبتلا ہوئے۔

آش چلۂ آکام ۔ آش کے معنی ترکی میں عام کھانے کے ہیں۔ وفات کے بعد چالیس دن پورا ہونے پر بطور خیرات کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ آش چلے سے یہی کھانا مراد ہے۔

طوئی طلسم ۔ یہ جشن ہمایوں کی تخت نشینی کی خوشی میں منایا جاتا تھا۔ طوئی کے معنی شادی ہیں۔ (بیوریج)

زہگیر تراشی ۔ فارسی عبارت میں زگیری تراشی لکھا ہے مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کمان کے چلّے کو زہ کہتے ہیں اور زہ گیر سے مراد وہ حلقہ یا انگوٹھی ہے جو چلّہ کھینچتے وقت انگلی یا انگوٹھے پر پہن لیتے تھے۔ زہگیر تراشی سے مطلب اس قسم کی انگوٹھی بنانا ہے۔

علوفہ دار یعنی جن کے وظائف مقرر تھے علوفہ مرادیہ۔ شد کا لفظ مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر بظاہر یہاں مراد ہار یا لڑی سے ہے۔

پاندان ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغل ہندوستان میں آکر بہت جلدی پان کے شائق ہوگئے تھے۔

جمدھر کھپوہ ۔ ہندی کے الفاظ ہیں۔ بجائے کھپوہ غالباً کھپرا صحیح ہوگا۔ کھپرا چوڑی نوک کے تیر کو کہتے ہیں (فوربز۔ ہندوستانی ڈکشنری)

قورپوش ۔ قور کے معنی زرہ کے ہیں۔ قورپوش وہ لباس ہوگا جو زرہ کے اوپر پہنا جائے۔

توشک ہائے خیال ۔ خیال بظاہر کسی قسم کا کپڑا ہوتا ہوگا۔

ساچق ۔ ترکی لفظ ہے جو اب بھی عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔

مرقع ۔ البم (انگریزی) کے معنی ہیں جس میں تصویریں وغیرہ ہوتی ہیں۔

گلولہ شبت ۔ سونٹ کی گولی۔ گولی اور معجون اس لیے کھلائی گئی کہ پانی میں بھیگنے کے بعد سردی نہ لگ جائے۔

تالار ۔ بارہ دری کی قسم کی عمارت۔

کوشکہ وادسقہ :- کوشک ایک قسم کی بارہ دری کو کہتے ہیں۔ کوشکہ اس سے تصغیر ہے اور کوئی ایسا چھوٹا سا خیمہ مراد ہے جو کوشک کی وضع کا ہو اور جس کے ساتھ پھول دار کپڑے (ادسقہ) کے پردے ہوں۔

چارقب :- ایک قسم کی صدری جس کی آستین نہیں ہوتی۔

چارقر تیچے :- چار = چہار قرتچہ بمعنی چھوٹا کرتہ یا صدری قرتچ کی تصغیر ہے۔ قرتچ کرتہ کو کہتے ہیں۔ اردو الفاظ کرتی یا کرتہ اسی سے بنتے ہیں۔

یک درخت و دو خطب :- یہ الفاظ غیر معروف ہیں۔ درخت سے مراد شاید کسی قسم کا شاخ دار شمع دان ہو سکتی ہے۔

سہ زنجیر فیل :- یعنی تین ہاتھی۔ زنجیر زائد ہے۔ اکثر چیزوں کی گنتی میں بعض مخصوص لفظ اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً پنج "باس" اسپ۔ سہ "زنجیر" فیل وغیرہ۔

فطرات :- صحیح فترات ہے۔ جو عربی میں فترۃ کی جمع ہے اور ایسے زمانہ یا وقت کو کہتے ہیں۔ جس میں فتنہ و فساد اور بے چینی نمودار ہو۔ چنانچہ دو پیغمبروں کے درمیان جو زمانہ بے دینی اور الحاد کا ہوا اسے بھی فترۃ کہتے ہیں۔

طاق :- یا طاقیہ بمعنی ٹوپی۔ طاقیہ چہار گوشہ صوفیوں کا بہت مرغوب و ممتاز لباس تھا۔ نو عمر لڑکیاں اکثر ٹوپی اوڑھتی تھیں۔

لچک قصابہ :- خوبصورت رومال یا کپڑا جو بڑی عمر کی لڑکیاں یا عورتیں بالوں پر باندھتی تھیں۔

کوچانیدہ :- کوچانیدن مصدر سے ہے جس کے معنی چلانا یا کوچ کرانا ہیں۔

گوادان :- وہی ہندی لفظ گنوار کی فارسی نما جمع ہے۔

ضعفا :- یعنی عورتیں اور بچے بوڑھے لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

آب لاہور :- یعنی دریائے راوی

زلچہ :- (ترکی) بمعنی مسند

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد ... الخ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آئینہ میں آدمی اپنی شکل دیکھ سکتا ہے اور اسے دیکھنے میں اگرچہ ایک خود نمائی اور فردیت کا بھی پہلو ہے مگر ساتھ ہی یہ بات ہے کہ آئینہ کے سامنے گویا آدمی اپنے آپ سے جدا ہو جاتا ہے اور ایک غیر بن کر دکھائی دیتا ہے، اور اس طرح آدمی اپنے عیوب پر بخوبی نظر کر سکتا ہے کیونکہ اپنی نسبت غیر کے عیوب زیادہ صاف نظر

پر دکھائی دیتے ہیں۔ رباعی کے دوسرے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا اپنے تئیں اس نظر سے دیکھنا جس سے وہ اور لوگوں کو دیکھتا ہے۔ بہت مشکل اور نایاب بات ہے۔ خدا ہی کسی کو توفیق دے تو یہ ہو سکتا ہے۔ مرزا کامراں کو اس رباعی کے بھیجنے میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان کا بادشاہ کی برابری کا دعویٰ محض زعم باطل ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ بادشاہی مسند پر بیٹھیں۔ جیسے کسی اس قسم کی بات پر کسی کو کہہ دیتے ہیں "پہلے آئینہ میں اپنی شکل تو دیکھ لو۔

واقعہ فردوس مکانی:۔ یعنی تزک بابری۔

ژندہ پیل احمد جام:۔ ہمایوں بادشاہ اپنی والدہ ماہم بیگم کی طرف سے ان کی نسل سے تھے اور اکبر کی والدہ حمیدہ بیگم بھی ان کی اولاد میں سے تھیں۔

ہفت دریا یکجا شدہ:۔ اس جگہ سے مراد ہے جہاں پنجاب کے دریا مل ملا کر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

میر سمندر:۔ غالباً کشتی بانوں کے افسر سے مراد ہے۔

دہ ھزار کس:۔ دہ کی جگہ دو زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس بے سروسامانی میں ہمایوں بادشاہ کے پاس اس قدر لشکر کہاں ہو سکتا ہے کہ اس میں سے دس ہزار آدمی سمندر میں ڈوب جائیں۔

ملا سرخ کتابدار:۔ خوب نام ہے۔ کتاب دار سے مراد غالباً منشی یا محرر ہے۔

سورمہ وسینچہ:۔ ترکی الفاظ ہیں۔ غالباً بے قاعدہ اور باقاعدہ سپاہ سے مراد ہے۔

بستئی تمام مردم:۔ بستی کا لفظ غلط معلوم ہوتا ہے۔ غالباً نسبتی ہوگا۔ بمعنی متعلقین۔

چولی:۔ جن آدمیوں نے ہمایوں بادشاہ کی ہمراہی میں سندھ اور بلوچستان کی بادیہ پیمائی کی تھی ان میں سے بعض کے نام کے ساتھ لفظ چولی کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ چول کے معنی صحرا، بیابان کے ہیں اور چولی اس سے صفت کا صیغہ ہے۔

بریابوئی قلعہ رھوار کیپک رسید:۔ یہ الفاظ بے ربط معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے قیاساً ان کو حل کر اس طرح پڑھا گیا ہے۔ بر یابوئی نزد رہوار کیپک رسید۔ یعنی ایک ازبک جوان جو ایک ٹٹو پر سوار تھا کیپک کے گھوڑے (رہوار) کے قریب پہنچا۔

چتر وطاق:۔ چتر یعنی چھتری کی وضع کے گول سائبان یا خیمے طاق یعنی گول چھت کا محراب دار خیمہ یا دروازہ۔

دانگ :- یا دانگ۔ اس سے مراد ایک حصّہ ہے۔ اکثر کسی چیز کے ۱/۶ حصّے کو دانگ کہتے ہیں۔

دانق (عربی) سے یہ لفظ متعلق ہے۔ دانق دینار کے چھٹے حصّے کو کہتے ہیں (ڈی فوربز ہندوستانی ڈکشنری)

ماہ چیچم :- پیاری بہن۔

از میں تورخانہ :- تورخانہ یہاں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تورخانہ ہونا چاہیے یعنی اس قسم کے مکان سے تورخانہ ایسی نشست گاہ کو کہتے ہیں جس کے گرد جالی کے پردے ہوں۔ یہ لفظ یہاں موزوں نہیں۔

مرزا سلیمان :- ہمایوں بادشاہ کے اور بھائیوں کے ساتھ آپ کا نام بھی لکھ دیا گیا مگر آپ ہمایوں بادشاہ کے حقیقی بھائی نہ تھے۔

ریواج :- یا ریباس۔ ریواس۔ ایک قسم کا دو تین فٹ اونچا پودا جس کے پتّے کرم کلّے کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ سبز ہوتا ہے مگر جڑ کے قریب اودا اور سفید ہو جاتا ہے۔ اس کا پھول سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس پودے کی جڑ کو ریوند کہتے ہیں۔ سرد پہاڑی ملکوں میں یہ پودا بہت پایا جاتا ہے اور اس کی بہترین قسم ایران کے بعض علاقوں میں ہوتی ہے۔ یہ پودا ادویات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

افغانی آغاچہ :- از ..... آنشاد۔ اس فقرہ میں افغانی آغاچہ کا نام دہرانے میں ایک تفنن یا ظرافت پائی جاتی ہے۔

چادر مہر آمیز :- اس سے یا تو مہر آمیز (نام) کا خیمہ مراد ہو سکتی ہے یا ممکن ہے کہ اس خیمہ کا نام ہی مہر آمیز ہو۔ کیونکہ بعض خیموں کا بھی کچھ نام رکھ دیا جاتا تھا۔

خط نوشتند کہ بہ گناہ خود ..... بیگمات سے ہمایوں بادشاہ اس وجہ سے خفا ہو گئے تھے کہ انھوں نے سیر کے لیے چلنے کی تیاری میں دیر کر دی تھی۔

نیمچہ :- یعنی جاکٹ یا صدری۔ نیم تن یا نیم تنہ بھی کہتے ہیں۔

اے دریغا ..... ۲۱ :- یعنی افسوس ہزار افسوس میرا آفتاب (مرزا ہندال) بادل (موت) میں پنہاں ہو گیا۔ مرزا ہندال نومبر 1551ء میں شہید ہوئے۔

رخنہ گر ..... بہ :- یعنی مملکت میں فتنہ و فساد برپا کرنے والے کو قتل کرنا ہی مصلحت ہے۔

در قلعۂ رہتاس ..... میل کشید :- یہ واقعہ اگست 1553ء میں ہوا۔